مغربی مشاہیر

مغربی مشاہیر

از

ایم۔ کے۔ رحمانی، بی۔ اے

ناشران

اردو منزل

مالکان

شیخ برکت علی اینڈ سنز تاجران کتب بندر روڈ کراچی

پاکستان میں قیمت .....

بھارت میں قیمت ......

ادبی پریس کراچی

فہرست

دیباچہ

میری تصانیف کی یہ پہلی قسط ہے۔ زندگی بخیر تو انشاءاللہ زبان اور ملک کی خدمت کا یہ سلسلہ جاری رکھوں گی۔ مجھے اُمید ہے، پاکستانی بھائی بہنوں کے درمیان میرا یہ حقیر ہدیہ مقبولیت حاصل کرے گا۔ مجھے اعتراف ہے، میں نے چند غیر ملکی مشاہیر کے مختصر واقعات قلمبند کرنے کی سعی کی ہے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ مجھے اپنے ملک اور قوم سے محبت نہیں۔ انشاءاللہ جلد ہی پاکستان کی مشہور و معروف شخصیتوں کے مفید اور پُر لطف واقعات عوام النّاس کے سامنے پیش کروں گی۔ میں سمجھتی ہوں میری یہ حقیر تصنیف مجھے اُن بزرگوں سے قریب کر سکے گی اور میں اپنے ارادہ میں زیادہ آسانی سے کامیابی حاصل کر سکوں گی۔

ہر وہ انسان جس نے کامیاب زندگی بسر کی ہے چاہے وہ کسی قوم، مذہب اور ملک کا ہو ہم اُس سے کچھ سبق ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ میرا مقصد اس حقیر ہدیہ کو پیش کرنے سے یہی ہے کہ ہم بھی اپنی زندگیوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارگر بنانے کی سعی کریں۔ قابلِ فخر ملک کے قابلِ فخر فرزند بننے کی کوشش کریں

اِس کتاب کے اندر میں نے سیاست دانوں، سائنسدانوں، جنرلوں، ادیبوں، زرمان پسندوں، تاجروں اور دیگر قسم کے اشخاص کی زندگیوں کے دلچسپ اور سُودمند واقعات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور میں وثوق

کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ جہاں یہ ناول نما سوانح حیات عام پبلک کی دلچسپی کا باعث ہوں گی وہاں ترقی پسند نوجوانوں، طالب علموں، فوجیوں، مجاہدوں، بیوپاریوں غرض زندگی کے جملہ شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے انسانوں کو معلومات کے خزانہ بہم پہنچانے کے ساتھ ترقی کی نئی نئی راہیں بھی دکھائیں گی۔

انگریزی زبان کو ۲۶ کروڑ اور اردو زبان کو ۱۶ کروڑ انسان بولتے ہیں دنیا کی مختلف زبانوں میں اردو کا دوسرا نمبر ہے۔ اس زبان میں ترقی کی ہنوز بہت زیادہ گنجائش ہے۔ جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے، ایٹمی طاقت کے اس دور کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں وہ مختصر ہوں فائدہ بھی زیادہ سے زیادہ بہم پہنچائیں۔ میں سمجھتی ہوں یہ کتاب ان دونوں شرائط کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے اور اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے

سوانح عمریوں کی ضخیم جلدیں بسا اوقات خشک اور بے مزہ ہوتی ہیں اس لئے ترقی کے اس دور میں جب دنیا پلک کی ہر جھپک کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے، ہمارے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ ہم ان کا باقاعدہ طور پر مطالعہ کر سکیں۔ اس کتاب کے اندر چند بے بہا سوانح حیات کا انمول عطر ملے گا، ان کا مطالعہ کرنے والا کم سے کم وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ مستفید ہو گا۔ مفید معلومات میں اضافہ ہو گا۔ ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو گا اور وقت بہت اچھی طرح گذرے گا۔

"مغربی مشاہیر"

بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی نظر میں

رحمانی صاحبہ نے یہ کتاب لکھ کر ادبی خدمت انجام دی ہے۔ اِس میں یورپ اور امریکہ کے ایسے مشاہیر کے حالات ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی قابلیت اور محنت و مشقت سے یا مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر دنیا میں نام پایا ہے اور ترقیٔ عالم میں قابلِ قدر کام کر کے دکھایا ہے۔ ہم ان کے حالات پڑھ کر بہت سے ایسے سبق سیکھ سکتے ہیں جو ہماری زندگی میں بہت کام آئیں گے اور ہمارے دلوں میں قوم و ملک کی خدمت کیلئے بڑے اور مفید کام کرنیکا ولولہ پیدا کرینگے

دستخط "عبدالحق" ۱۳ فروری ۱۹۵۱ء

میں یہ کتاب اپنے مرحوم بیٹے طارق
کے نام معنون کرتی ہوں - میرے دل میں
اس کو ایک کامیاب انسان بنانے
کی بڑی آرزو تھی - میرا لاڈلا
کاش ....!!

لارڈ ماونٹ بیٹن

ملکہ وکٹوریہ کا پرپوتا اور شہنشاہ انگلستان کا رشتہ کا بھائی ہے
اصلی نام لارڈ لوئس فرانسس البرٹ وکٹر نکولس ماونٹ بیٹن ہے۔
اس کے والد دی مارکوئس آف ملفورڈ ہیون نے برٹش نیوی کی خدمت
پچاس برس سے زیادہ کی اور آخر میں برٹش نیوی کی سب سے بڑی پوزیشن
فرسٹ لارڈ آف دی ایڈمائرلٹی حاصل کی۔ اس کو بھی اپنے والد کے قدم
بقدم چلنے اور بچپن ہی سے نیوی جانیکا شوق تھا۔ ۱۳ برس کی عمر میں
نیوی میں داخلہ لیا مگر یہ احساس رہا کہ صرف ذاتی قابلیت کام آئیگی
اور شاہی خون یا سفارش سے کام نہ چلیگا۔ سخت محنت کی ہر امتحان کو
اول درجہ سے پاس کیا۔ چار سال کیمبرج میں پڑھ کر الیکٹریکل انجنیرنگ
کی ڈگری حاصل کی۔ ریڈیو سگنلنگ میں بڑا عمدہ کام کیا اور دو سال نیوی
سگنل اسکول میں استاد بھی رہا۔ بہت سی مفید چیزیں ایجاد کیں جو نیوی
میں آجکل استعمال ہو رہی ہیں۔ اس وقت عمر پچاس برس ہے جس میں

قریب تیس برس برٹش نیوی کی خدمت میں گزارے۔

گزشتہ جنگ میں اس حسین، رنگین مزاج اور رومان پسند شہزادہ کو اتحادی اقوام کی جانب سے مسٹر چرچل نے جنوب مشرقی ایشیا کا سپریم ٹرانسپورٹیشن کمانڈر منتخب کیا۔ یہ نیول ٹرانسپورٹیشن کا ماہر ہے۔ برما میں جاپانیوں کو زبردست شکست دی۔ بڑے بڑے خطرات کا مقابلہ کیا۔ برما کی جنگ میں اس کی بینائی زائل ہو رہی تھی جس کو ایک امریکن ڈاکٹر ہیرولڈ جی شی نے بچایا۔ ایر ایڈمیرل لارڈ ماونٹ بیٹن گزشتہ جنگ میں سب سے کم عمر فوجی افسر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ برٹش نیوی میں اس سے زیادہ کسی دوسرے افسر پر بمباری نہیں ہوئی۔ اس کے گہرے دوست اس کو "ڈکی" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے دور کا نیلسن ہے۔ وہی امیر البحر نیلسن جس کا نہ ایک ہاتھ تھا اور نہ ایک آنکھ جس نے جنگ ٹرافلگار میں نپولین کو شکست دی۔ جو برٹش نیوی میں لازوال شہرت کا مالک بنا۔

ماونٹ بیٹن کی پہلی بار شہرت اس وقت ہوئی جب وہ کمانڈرز کا لیڈر بنا جنہوں نے گزشتہ جنگ میں ہر رات فرانس، بلجیم، ہالینڈ اور ناروے کے ساحلوں پر حملہ کر کے جرمن افواج کے ناطقہ بند کر دیئے۔ ان کا سخت نقصان کیا۔ ان کی ہمتیں توڑ دیں۔ انپر کامیاب حملہ کرنے کے لئے بے بہا معلومات حاصل کیں۔ جب کمانڈرز لیڈر تھا اپنے اعلان کیا کہ وہ کسی شخص سے ایسا کام نہ لے گا جس کو خود بھی نہ کرے۔ کمانڈر

حملوں میں خود بھی شرکت کرتا اور ساتھیوں کے ساتھ چھروں، بیلچوں کلہاڑیوں چاقوؤں اور بلموں سے جرمن فوجیوں کا خاتمہ کرتا۔ کوئی فوجی ٹریننگ اتنی سخت نہیں جتنی کمانڈو ٹریننگ ہے مگر اس نے اس کو باقاعدہ حاصل کیا۔ اس نے دس دس فٹ اونچی گوکھرو والے تاروں کی دیواروں کو پار کیا ہے۔ آگ پانی اور گولیوں کی بوچھار سے گذرا ہے بموں تارپیڈوں اور سب میرنیز کا مقابلہ کیا ہے اور ایسی ایسی صعوبات برداشت کی ہیں کہ محض ان داستانوں کو سن کر معمولی انسان کے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں

گذشتہ جنگ عظیم میں جب جرمن نے یونان اور جزیرہ کریٹ پر قبضہ کر لیا تو اس وقت لارڈ ماونٹ بیٹن نے اظہار جوانمردی میں کمال کر دیا تباہ کن جہاز "کیلی" اور اس شہزادہ کا جو ساتھ رہا ہے وہ بذات خود ایک حیرت انگیز داستان ہے۔ اس جہاز پر سوار ہو کر اس نے جرمنی کے ایک جہاز کو بڑی خوبی سے ڈبویا جس میں کثیر مقدار گولہ بارود اور بہت سے جرمن فوجی دستے تھے۔ گھنٹوں جرمن بمباروں نے ماونٹ بیٹن کے جہاز "کیلی" پر بمباری کی مگر دشمن کے ہر بم نے خطا کی۔ اس کے بعد غوطہ خور بمباروں اور سب میرنیز نے حملہ کیا۔ "کیلی" بری طرح مجروح ہو گیا مگر جہاز کے ڈوبنے کے آخری لمحہ تک ماونٹ بیٹن نے دشمن پر حملہ جاری رکھا جہاز ڈوب گیا اور یہ معہ ساتھیوں کے ۲½ گھنٹہ برابر سمندر کی موجوں کے درمیان رہا۔ آنکھوں میں تیل گھس گیا تھا اور سر پر جرمن مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ عجب مشکل کا مقام تھا۔ حسن اتفاق سے اتحادی

اقوام کا ایک تباہ کن جہاز اس راستہ آنکلا جس نے اس کو سمندر سے نکالا ورنہ خاتمہ ہی ہوگیا تھا

کہا جاتا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم کا مشہور فوجی فقرہ "آل ٹکی ڈو" یعنی سب بالکل ٹھیک ہے اس کا نکالا ہوا ہے۔ جب تک ہر چیز آل ٹکی ڈو ہو یہ کسی فوجی معرکہ میں ہاتھ ڈالنے کا قائل نہیں۔ جب کمانڈر لیڈر تھا ایکبار ہر چیز آل ٹکی ڈو ہونے کے باوجود کامیابی نہ ہوئی۔ بہت پریشان ہوا معرکہ کے بعد پوسٹ مارٹم ایگزامینیشن کرنیکا عادی ہے۔ چھان بین جو کی تو پتہ چلا کہ حملہ آٹھ بجکر تیس منٹ کی جگہ آٹھ بجکر اکتیس منٹ پر ہوا تھا۔ فوج پلک جھپکنے میں کٹ بھی سکتی ہے اور کاٹ بھی سکتی ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد لارڈ ماونٹ بیٹن ہندوستان کا وائسرائے مقرر ہوا۔ ایک عرصہ تک بحث مباحثہ رہنے کے بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کو انڈیا کے آخری وائسرائے ہز اکسلنسی وسکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن آف برما نے اپنی تجویز پیش کی جس کو مسلم لیگ اور کانگریس ہر دو نے مان لیا۔ حکومت برطانیہ نے مسلمانان ہند کو پاکستان دینا قبول کر لیا اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

کراچی میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعرات لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کونسٹیٹوٹ اسمبلی کو ہز مجسٹی کنگ جارج ششم کا پیغام سنایا اور اپنی بیس منٹ کی تقریر میں کہا کہ کل دولت مشترکہ میں دو نئی شاندار

حکومتوں کا اضافہ ہوگا۔ یہ ریاستیں کلی طور پر خودمختار ہونگی۔ تہذیب و تمدن انکا بہت پرانا ہے۔ ان کے لیڈروں اور سیاست دانوں کی اقوام عالم عزت کرتی ہیں۔ ان کے سائنسدانوں، شاعروں، فوجیوں اور فلسفیوں نے دنیا کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ حکومتیں کمزور یا خام نہیں اپنے کام کو خوب سمجھتی ہیں اور اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء میں خطبہ دہلی میں پڑھا اور، پاکستان اور ہندوستان کی دو الگ الگ حکومتیں وجود میں آگئیں لارڈ ماونٹ بیٹن ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا اور ہمارے محبوب قائد اعظم محمد علی جناح خدا آپ کی روح پر فتوح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے بغیر سیاسی قیدی بنے، بندوق کی ایک گولی چلائے۔ ٹینک یا فوج کا استعمال کئے مسلمانان ہند کو پاکستان دلانے میں کامیاب ہوئے اور احسانمند قوم نے اپنے سب سے بڑے محسن کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل منتخب کیا۔

دونوں گورنر جنرل کشمیر کی گتھی سلجھانے کے لئے یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملے۔ قائد اعظمؒ نے ۴ تجاویز پیش کیں جو لارڈ ماونٹ بیٹن نے حکومت ہند کو پہنچا دیں مگر جواب کا ہنوز انتظار ہے۔

آخر میں ہم اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ لارڈ ماونٹ بیٹن بھی انگریز قوم کی اکثریت کی طرح مسلم کش ثابت ہوا۔ پاکستان کے ساتھ اس کا سلوک برابر مثل ایک سوتیلی ماں کے رہا۔ تعصب کا چشمہ دور کر کے انصاف کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو یہی ایک فرد اور

ہے جس کی عیاری کی بنا پر چالیس لاکھ کشمیری بھائی گذشتہ ½۳ سال سے ایک عذاب میں گرفتار ہیں۔ ریڈکلف اوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ کھلی ناانصافی کی گئی جس کا یہ ایک ممبر تھا۔ ضلع گرداسپور جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی ہندوستان کے سپرد کیا۔ کشمیر کی سرحد بھارت کی سرحد سے صرف اس ایک پتلی پٹی کے ذریعہ ملتی ہے۔ اگر ضلع گرداسپور پاکستان کے حوالہ کیا جائے جو اس کا جائز حق تھا تو گذشتہ ۴۲ مہینہ سے مسئلہ کشمیر ۸ کروڑ پاکستانیوں کے لئے "دردِ دل" نہ بنا ہوتا۔ کشمیری بھائی اپنے پاکستانی بھائیوں کے ساتھ ترقی کے وسیع میدانمیں قلانچیں بھرتے نظر آتے۔

پاکستان کی پیدائش کے بعد ہی جو جو مصائب اس نوزائیدہ اسٹیٹ کو برداشت کرنے پڑے ہیں سب کی وجہ انگریز تھا اور انگریز کی پالیسیز کو عملی جامہ پہنانے والا لارڈ لوئس ماونٹ بیٹن تھا۔

میری پکفورڈ

جوڈی اسمتھ کی یہ بیٹی ابھی چار سال ہی کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ دورِ حاضرہ کی غالباً یہ سب سے زیادہ مشہور عورت ہے۔ اس کا باپ کینیڈا کا رہنے والا تھا۔ ایک جہاز پر پے ماسٹر تھا کہ ایک روز ایک حادثہ میں سر کے پھٹ جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اس کا باپ ۸ اپریل کو پیدا ہوا۔ دادا ۸ اپریل کو پیدا ہوا۔ پکفورڈ خاندان میں یہ تاریخ بچوں کی پیدائش کے واسطے بہت مقبول ہو گئی۔ میری پکفورڈ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئی۔ اس کی ماں نے اس کی دادی اور پردادی کی طرح کرنا چاہی اور اس کے باپ کو اُس کی سالگرہ کی خوشی میں بچہ کا تحفہ پیش کرنا چاہا مگر افسوس رات کے ۲ بجے ۹ اپریل کو یہ پیدا ہوئی یعنی ۸ اپریل کے ۳ گھنٹے بعد۔ اس کے گھر والوں نے تاریخ، کلینڈر اور گھڑی کو بالائے طاق رکھا اور نہایت شان سے ۸ اپریل ہی کو اس کا یوم پیدائش منایا اور اس کی ماں نے مرتے دم تک آئندہ ۳۳ برس یہ ریت مٹنے نہ دی۔ ماں کی وفات کے بعد پکفورڈ

نے اپنا یوم پیدائش ۹ اپریل کو منانا شروع کیا۔

بہت کم انسان ایسے ہیں جہاں اتنی متضاد چیزیں جمع ہوئی ہوں جتنی کہ اس شہرۂ آفاق ایکٹریس کے اندر جمع ہیں۔ ایک وقت تھا جب اپنے کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے دھوتی اور ان پہ استری کرتی تھی۔ ۱۵ پنس سے زیادہ ایک دن کے کھانے پر خرچ نہ کر سکتی تھی۔ مگر بارہ برس بعد ہی ۳ پونڈ فی سیکنڈ کے حساب سے کما رہی تھی۔ ایک وقت تھا جب نہ اس کا گھر تھا نہ در اور نہ کوئی روزگار۔ آج عالمگیر شہرت کی مالک ہے اور روزانہ صدہا ایسے خطوط موصول کرتی ہے جس میں لوگ اس سے مالی امداد طلب کرتے ہیں۔ غربت کے دور میں اس کی ماں بچوں کے واسطے بھجیا بنا لیا کرتی تھی۔ آج بھی بڑے بڑے کھانوں پہ یہ بھجیا کو ترجیح دیتی ہے۔ بسا اوقات دن میں صرف ایک کپ چاء اور ایک توس کھاتی ہے۔ کھانے سے اس کو زیادہ رغبت نہیں۔

ایک روز اپٹن سنکلیر کی مشہور کتاب "دی جنگل" نگاہ سے گزری اور اسی وقت سے گوشت کا کھانا کم کر دیا۔ اگر قصائی کی دوکان کی کھڑکی بھی دیکھ لے تو طبیعت گھنٹوں خراب رہتی ہے اس وجہ سے ایسے علاقہ سے ہمیشہ آنکھیں بند کر کے گذرتی ہے۔ خنزیر کا گوشت کبھی نہیں کھاتی۔ جب کبھی بھیڑ کا گوشت میز پہ آتا ہے مشکل سے کھا پاتی ہے کیونکہ بچپن میں اس کے پاس ایک بھیڑ تھی جس سے یہ کھیلا کرتی تھی۔ نگاہ کے سامنے وہی منظر آجاتا ہے۔ دریا سے جس مچھلی کو خود پکڑ لیتی

نہ کھا سکے گی، ہاں دوسرے کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی ضرور کھالیتی ہے بہت ہلکی پھلکی، خوبصورت، سنجیدہ، اور وفا شعار عورت ہے۔ غرور نام کو نہیں۔ اپنی شہرت کا ذرا احساس نہیں۔ اتنی بھی فکر نہیں کہ مرنے کے بعد قبر پر کوئی فاتحہ بھی پڑھنے آئیگا یا نہیں۔ ہر وقت ہشاش بشاش نظر آتی ہے۔ جب ڈگلس فیربنکس سے طلاق حاصل کر رہی تھی اس قدر بیفکر اور خوش نظر آتی تھی کہ دیکھنے والے کی طبیعت بھی اندر سے باغ باغ ہو جاتی تھی۔ اکثر سینما میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے پارٹ ادا کئے ہیں خاص طور پر اس وجہ سے کہ بچپن میں جس خوشی سے محروم رہی تھی اس طرح اس کا ازالہ کر سکے۔ ایک سیکنڈ بھی بیکار ضائع کرنے کی قائل نہیں۔ ۱۲ سے ۱۶ گھنٹہ تک ہر روز کام کرتی ہے اس کے دو سکریٹری ہیں کیونکہ ایک اس کا ساتھ نہیں دے سکتا اور کام اور محنت کیوجہ سے تھک جاتا ہے گھوڑے کی سواری اور پیدل چلنے کی شوقین ہے مگر وقت نہیں ملتا۔ موٹر کے سفر تک میں ایک فرانسیسی لڑکی کو ساتھ رکھتی ہے جو اسے ان غلطیوں سے واقف کراتی ہے جو یہ فرانسیسی زبان بولنے میں کرتی ہے۔ کہتی ہے حرص اور طمع ایک لعنت ہے اور اس کا گرفتار کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر غالب آکر اسے بہکا دیتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ ڈاک اس کے پاس آتی ہے جو ڈاک خانہ بڑے بڑے تھیلوں کے اندر بند کر کے اس کے پاس بھجوا دیتا ہے۔ اس ڈاک کو اگر صرف پڑھا جائے تو روزانہ کم از کم دس گھنٹہ درکار ہوں۔ جو اس

کی آمدنی ہے اس سے دس گنا زیادہ مالی امداد لوگ خطوط کے ذریعہ اس سے طلب کرتے ہیں

چارلی چپلن، ڈگلس فیربنکس اور میری پکفورڈ نے برسوں یہ دلچسپ اور سود مند کھیل ساتھ ساتھ کھیلا ہے۔ تینوں سمندر کے کنارے، باغ دفتر، یا جہاں پر بھی ہوتے بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے کاغذ کے ٹکڑوں پر مختلف الفاظ اور نام لکھتے مثلاً نپولین۔ قائداعظم محمد علی جناح بم۔ برف۔ انڈا وغیرہ وغیرہ پہلے ان پرچوں کو چھپا دیتے اور پھر سلسلہ وار کھولنا شروع کرتے اور جو پرچہ جس کے حصہ میں آتا اس پر جو کچھ لکھا ہوتا ایک منٹ تک فوراً وہ اس پر تقریر کرتا۔ اس طرح علم میں اضافہ ہوتا۔ وقت اچھا گزرتا برجستہ جواب دینے اور تقریر کرنے کی عادت پڑتی طبیعت سے جھجک دور ہوتی اور ہر وقت معلومات میں اضافہ کی فکر رہتی۔

اس کا اصلی نام گلے ڈیز میری اسمتھ ہے مگر چونکہ اس نام میں کشش نہیں اس وجہ سے سینما والوں نے اس کو میری پکفورڈ کا نام دیا اور اسی نام سے یہ دنیا میں مشہور رہے۔ ابھی عمر بہت کم تھی کہ اسٹیج پر پیٹ پالنے کے لئے کام شروع کر دیا۔ قانوناً اس عمر میں اس کو کسی اسکول میں تعلیم حاصل کرنا چاہئے تھی۔ اس نے قانون کی آنکھوں میں ڈھول ڈالی اور رشتہ کی ایک بہن کا پیدائشی سارٹیفکیٹ دکھا دیا جو عمر میں اس سے ایک سال بڑی تھی۔ اس کے سروس ریکارڈ میں اس وجہ سے اصلی عمر سے اس کی عمر ایک سال زیادہ مندرج ہے۔ جتنے عرصہ فلمی دنیا میں یہ رہی وہ میرا

نہ رہا۔ چارلی چپلن نے ابھی ہالی وڈ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی کہ اس سے مدتوں پہلے یہ فلم اسٹار بن چکی تھی۔ بچہ بچہ کی زبان پر اس کا نام تھا اور پوری دنیا میں سب سے زیادہ تنخواہ پانے والی سینما ایکٹرس تھی ۔

جارج برنرڈ شاہ

ابھی حال ہی میں ۲ نومبر ۱۹۵۰ء کو ۹۴ برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ دنیا اس کو جس قدر جلد بھول جائے اسی قدر بہتر ہو کیونکہ دنیا کی ترقی کا راز اسی میں ہے۔ دنیا اس کو اسی وقت بھولیگی جب اس سے بہتر کوئی دوسرا ادیب پیدا ہو جائے گا۔ ڈرامہ نویس کی حیثیت سے اس کی شہرت دنیا میں اس قدر تھی کہ اصلی نام کی جگہ صرف ابتدائی حروف یعنی جی۔بی۔ایس سے یاد کیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں آئرلینڈ کے ایک نہایت مہذب خاندان میں پیدا ہوا۔ غربت کی وجہ سے ۱۵ برس کی عمر ہی سے ایک پونڈ فی ماہ کی تنخواہ پر کلرکی کا کام شروع کر دیا۔ ۱۶ سے ۲۰ برس کی عمر تک خزانچی رہا۔ مگر آفس کی خشک زندگی سے اسے سخت نفرت تھی۔ ۲۰ برس کی عمر میں کہا کہ اسے دنیا میں صرف ایک زندگی بسر کرنا ہے جس کو وہ آفس کی میز کرسی پر گذار کر برباد نہ کریگا۔

کلر بلائنڈ تھا اور نیلے اور ہرے رنگ میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔

ہفتہ میں ایکبار سر پہ انڈے کی سفیدی کی مالش کراتا تھا اپنے کو بہت کامیاب فوٹوگرافر سمجھتا تھا مگر جتنے فوٹو کھینچتا انمیں بہت کم ٹھیک ہوتے تھے۔ کہتا تھا کہ آرٹ اور حسن اس کی زندگی کے لئے ضروری ہیں مگر دونوں میں سے کہ ایک کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔ کہتا تھا پریشان رہنے کا راز یہ ہے کہ تمہارے پاس اتنا وقت ہو کہ تم سوچ سکو کہ آیا تم خوش ہو یا نہیں۔ تنہائی پسند تھا۔ ایوٹ سینٹ لارنس کے اپنے مکان میں انتقال کیا۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ اسکول اور بازار کئی میل دور ہے۔ پانی تک باقاعدگی سے نہیں آتا مگر اس کو یہی جگہ پسند تھی۔ ایکبار ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کے کمرہ میں پھول نہیں تو شاہ نے جواب دیا میں بچوں کا شوقین ضرور ہوں مگر ان کا سر کاٹ کر گلدستوں میں رکھ کر گھروں کی سجاوٹ کا قائل نہیں۔

مسز شاہ تو بچہ پیدا کرنے کے اس قدر خلاف تھی کہ ابتدا میں شادی تک سے گریز کرتی تھی۔ کرنل لارنس آف عربیا کو شاہ مثل اپنے بیٹے کے سمجھتا تھا۔ لارنس جب موٹر سائیکل پر مرا وہ شاہ نے اسے اپنا نام پتہ بتلائے بغیر بھیجی تھی۔ لارنس کی وفات پر شاہ اور مسز شاہ نے بڑا ماتم کیا تھا۔ یہ شارٹ ہینڈ میں ہر چیز لکھتا تھا۔ ایکبار جو کچھ لکھ دیتا پھر ایک لفظ بھی اس میں نہ بدلتا تھا۔ مس بلا پچ پچ تیس برس اس کی سکرٹیری رہی اور اس کے شارٹ ہینڈ میں لکھے ہوئے ڈراموں وغیرہ کو ٹائپ کرتی تھی۔ جی بی۔ ایس کے اس سکرٹری کا کہنا ہے کہ گذشتہ ۳۰ برس

کے عرصہ میں شاہ صرف دو بار غصہ ہوا حالانکہ بہت غصیل طبیعت سمجھا جاتا تھا شاہ کسی چیز کو ڈکٹیٹ نہیں کرا سکتا تھا۔

جب ۷ برس کی عمر تھی شکسپیر، انجیل، بنیین اور الف لیلیٰ پڑھتا تھا اور ۱۰ برس کی عمر میں بائرن، شیلے، ڈکنس کیٹز اور بہت سے مشہور انگریز ادیبوں کو ختم کر چکا تھا۔ مطالعہ نہایت وسیع تھا اور ایک نامور ادیب بننے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے سب اس کے پاس بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ابتدا سے بلند خیال اور روشن دماغ تھا۔ حالانکہ صرف ۵ برس اسکول میں تعلیم حاصل کی مگر اپنی صدی کا سب سے مشہور ڈرامہ نویس گذرا اور انگریزی ادب میں نوبل پرائز حاصل کیا۔ یوں تو اپنے قلم سے لاکھوں روپیہ پیدا کیا مگر نوبل پرائز کا سات ہزار پونڈ کا عطیہ صرف چند لمحات اپنے پاس رکھ کر انیگلو سویڈش ٹریڈی الائنس کو دیدیا

۱۸۷۶ء میں لندن جا کر تصنیف کا کام شروع کیا۔ ہر روز کم از کم پانچ ورق ضرور لکھتا تھا مگر ۹ سال تک کوئی کامیابی حاصل نہوئی اور اس عرصہ میں قلم کے ذریعہ صرف چھ پونڈ کمائے۔ غربت اس قدر زیادہ ہو چکی تھی کہ ناول کا مسودہ پبلشر کے پاس بھیجنے کے لئے ٹکٹ نہوتے تھے لندن کی گلیوں میں پیوند لگے کپڑے اور پھٹا جوتا پہنے پھرتا تھا۔ اس کی ماں محنت مزدوری کر کے کسی نہ کسی صورت اس کا پیٹ ضرور بھر دیتی تھی۔ بہت سی ناولیں لکھیں مگر سب ناکامیاب رہیں۔ جب کامیاب ناول نویس نہ بن سکا ڈرامہ لکھنا شروع کئے مگر تمام ابتدائی ڈرامہ بھی

فیل ہوئے۔

۲۱ برس برابر سخت محنت کرنے کے بعد اس قابل ہوا کہ ایک حسین اور مالدار عورت سے شادی کر سکے۔ ۱۸۹۸ء میں صرف ایک ڈرامہ کی کامیابی سے اسکو ۲۰ ہزار پونڈ وصول ہوئے اور اسی سال ۲۴ برس عمر میں شادی کی ۴۵ برس نہایت ہنسی خوشی دونوں نے زندگی بسر کی اور ۱۹۴۳ء کو مسز شاہ کا انتقال ہو گیا۔ ہر کوئی دیکھنے والا یہ کہتا تھا کہ مسز شاہ خود شاہ سے کم از کم بیس سال چھوٹی ہے حالانکہ دونوں کی عمروں میں صرف چار مہینہ کا فرق تھا۔

ابتدا میں اس قدر شرمیلا اور بزدل تھا کہ اگر کسی دوست کے مکان پر جاتا تو دستک دینے سے پہلے کئی کئی منٹ پس و پیش کرتا رہتا تھا۔ بات کرتے جھجکتا تھا۔ دستخط کرنے میں ہاتھ تھر تھراتے تھے۔ اس قدر نروس تھا کہ چار آدمیوں کے سامنے بغیر نوٹ لئے کچھ یاد نہ رہتا تھا مگر دیکھتے دیکھتے اپنی صدی کا بہترین مقرر بن گیا۔ اس نے احساس کیا کہ ان کمزوریوں کے ساتھ وہ اپنا نصب العین کبھی حاصل نہ کر سکیگا۔ لندن کے باذوق حلقوں میں شرکت شروع کی اور ہر جگہ تقاریر میں حصہ لیا۔ جلد ہی اپنے آہنی عزم و ارادہ اور ہمت کے ذریعہ بزدلی اور شرمیلے پن کو نکال پھینکا

کارل مارکس کی مشہور و معروف کتاب "کیپٹل" نے جہاں روس میں انقلاب برپا کیا وہاں تاریخ عالم پر بھی بہت گہرا اثر ڈالا۔ ابھی ۲۰ برس کی عمر تھی کہ شاہ کی نگاہ سے یہ کتاب گذری۔ اس کے پڑھتے ہی آنکھیں روشن

ہوگئیں۔ اس کی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا رگ و ریشہ میں یہ کتاب پیوست ہوگئی اور تیزی سے اس نے ترقی کے منازل طے کرنا شروع کر دیئے۔ بیس سال برابر ہر رات کبھی کسی پبلک ہال میں اور کبھی اسکاٹ لینڈ اور انگلینڈ کے چوراہوں پر کھڑے ہوکر شوشلزم پر تقاریر کیں اور پھر تو اس قدر محبوب ہوگیا کہ ہر جگہ اس کی ضرورت اور مانگ تھی مگر اپنی تقاریر کا معاوضہ کبھی نہ لیا۔

برنرڈ شاہ مذہب اسلام کا بڑا مداح تھا۔ کہتا تھا کہ آنے والے سو سال میں نہ صرف انگلستان بلکہ پورے یورپ کے اندر اگر کسی مذہب کے پھیلنے کا امکان ہے تو وہ اسلام ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بڑا قدردان تھا اور کہتا تھا کہ صرف رسول پاکؐ جیسی مقدس ہستی دورِ حاضرہ کی گتھیاں سلجھا کر دنیا کو امن اور راحت کا پیغام سنا سکتی ہے۔

اس کو ڈاکٹروں سے سخت نفرت تھی شاید اس وجہ سے کہ بچپن میں چیچک کا ٹیکہ لگوانے کے باوجود اسے چیچک نکلی اور پورا چہرہ داغدار ہوگیا جن کو چھپانے کے لئے بیچارے کو داڑھی رکھنا پڑی۔ اس کے ساتھ سر ولیم ولڈی جو آسکر ولڈی کا باپ تھا اس نے شاہ کے باپ کی آنکھ کا آپریشن کیا اور اس کو بھینگے سے کانا کر دیا۔

جنرل مارشل

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی افواج کا دوران جنگ گذشتہ کا چیف آف اسٹاف جنرل جارج سی مارشل ملٹری میں نمبر ون ہے۔ آج کل جنرل جے موٹن کولنس چیف آف اسٹاف ہے اور جنرل مارشل خود ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ڈفینس سکریٹری ہے۔ امریکہ کی پوری فوجی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے۔ اکثریت کا خیال ہے کہ امریکہ نے آج تک اس سے بڑا جنرل پیدا نہیں کیا۔ اس نے ورجینیا ملٹری انسٹیٹوٹ لکس انگٹن۔ ورجینیا۔ امریکہ میں فوجی تعلیم حاصل کی۔ تمام طلباء کے اندر سب سے زیادہ اس کی عزت کی جاتی ہے اور ہر دل عزیز تھا۔ کالج کے اندر تین سال تک فٹ بال کھیلنے کی فرصت نہ ملی۔ چوتھے سال چند ہفتہ پہلے تو فٹ بال کے کھیل پر معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد زندگی میں پہلی مرتبہ فٹ بال کھیلنا شروع کی۔ حالانکہ وزن ۱۳۰ پونڈ سے کم تھا مگر دیکھتے دیکھتے پوری یونیورسٹی میں نمبر ون فٹ بال کھلاڑی بن گیا۔ بارہا میچ جیت کر کالج کی زینت بڑھائی۔ جہاں

بہترین طالب علم تھا ایک لیڈر کی تمام خوبیاں بھی اس کے اندر موجود تھیں نتیجہ یہ کہ کالج کا سب سے بڑا اعزاز اس کو ملا یعنی فرسٹ کیپٹن بنا دیا گیا۔

جنرل مارشل ایک پیدائشی سپاہی ہے۔ بچپن میں بھی محلہ کے بچوں کی قیادت کی اور فوجی کھیلوں میں دلچسپی کی۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر وہ ملٹری لیڈر نہ ہوتا تو کسی بڑے موسیقی کے ادارے کا ڈائرکٹر بننا پسند کرتا۔ جنگ اور ملک فتح کرنے سے پہلے ایک جنرل کو اپنی طبیعت فتح کرنے کی ضرورت ہے برسوں کی فوجی تربیت کی وجہ سے یہ اپنے اوپر کنٹرول خوب کرتا ہے۔ تین چار پاکٹ سگریٹ کے ہر روز پی جاتا تھا مگر تمباکو کے برے اثرات کی وجہ سے اس کی کامیابی میں خلل کا ڈر تھا۔ فیصلہ کیا کہ سگریٹ نہ پیئے گا۔ برسوں گذر گئے وہ دن اور آج کا دن سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ بنجامن فرینکلن اور جنرل رابرٹ لی کی زندگیوں سے یہ سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے بنجامن فرینکلن کی خود نوشتہ سوانحعمری کو اکثر و بیشتر پڑھتا ہے۔ جنرل لی کے کیرکٹر کا بڑا مداح ہے اور اس کے فوجی فن اور جنگی تراکیب کو خاص طور پر نہایت غور و خوض سے پڑھتا ہے۔

پڑھنے کا بڑا شوقین ہے۔ بستر کے دونوں طرف ادھر اور اُدھر
کتابوں سے بھری ہوئی ایک ایک میز رکھی رہتی ہے بستر پر لیٹ
جاتا ہے۔ ریڈیو پر آہستہ آہستہ گانا ہوتا رہتا ہے اور اس طرح ہر رات
لیٹے لیٹے تین گھنٹہ بلا ناغہ پڑھتا ہے۔ اس حالت میں سو جاتا ہے اور
درمیان میں آنکھ کھل جائے تو پھر کتاب پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور پھر
پڑھتے پڑھتے سو جاتا ہے۔ غضب کی تیزی سے پڑھنے والا شخص ہے
تین گھنٹہ میں ۲۰۰ صفحات کی کتاب کو ختم کر لیتا ہے۔ یہ ڈسپلن کا بڑا قائل
ہے مگر جو وحشیانہ اور توہین آمیز طریقہ ملٹری افسران استعمال کرتے
ہیں اس کے سخت خلاف ہے۔ بڑا شریف انسان ہے ایکبار دوران تعلیم
میں ایک لڑکے نے ایک کھیل کے اندر دھوکہ سے اسے سنگین کے ذریعہ
اتنا زخمی کر دیا کہ اس کے جانبر ہونے کی اُمید نہ رہی۔ لوگوں نے اس طالب علم
کا نام بہت دریافت کرنا چاہا مگر اسنے نہ بتایا اور ہر بار یہی کہ دیا کہ ایسا کرنا
اسپورٹس مین اسپرٹ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ طلباء اور اساتذہ اس
پر اپنی جان تصدق کرتے تھے۔

جب چیف آف اسٹاف کا عہدہ سنبھالا تین ہزار سپاہیوں کو ۱۸
سوالات کی فہرستیں روانہ کیں اور کہا کہ ہر سوال کا جواب بلا جھجک دو
اور فارم پر نام نہ لکھو۔ یہ سوالات اس قسم کے تھے۔ کیا تم اپنے افسران کو
پسند کرتے ہو؟ اگر پسند کرتے ہو تو کیوں اور ناپسند کرتے ہو تو کیوں؟ ہم
تمہیں بہتر سپاہی کیونکر بنا سکتے ہیں؟ ہم فوج کو بہتر فوج کس طرح بنا

سکتے ہیں ؟ وغیرہ وغیرہ یہ ایک جدت تھی - ایسی بات بھی جو آج تک کسی دوسرے فوجی رہنما نے تاریخ فوج میں نہیں کی۔ کہ دقیانوسی خیالات کے انسانوں نے اس اسکیم کا مذاق اڑایا مگر اکثریت نے پسند کی۔ اس سے بڑے عمدہ نتائج برآمد ہوئے - فوج کے اندر - انسانیت اور تنظیم پیدا ہو گئی فوجی ایک دوسرے کو زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھنے لگے اور فوج کی حالت دن بدن سدھرتی ہی چلی گئی - جنرل مارشل آفس کے کسی کام کو گھر لانیکا قائل نہیں آفس کے اوقات کے بعد آفس کی بات امریکہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ افسر سے کرنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ کام کے بعد جو وقت ملتا ہے وہ دلچسپ مشاغل مثلاً گھوڑے کی سواری دریا کی سیر، شکار کھیلنا، کشتی چلانا، سینما دیکھنا یا کلب گھر میں گذارتا ہے۔ نہ تو فکر کو قریب آنے دیتا ہے اور نہ کبھی جلد بازی سے کام کرتا ہے۔

تاریخ امریکہ کی سب سے بڑی فوج کے چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے دوسری جنگ عظیم میں جنرل مارشل کو اتنا کام کرنا پڑتا تھا کہ معمولی آدمی تو اس کے بوجھ اور ذمہ داری سے مرجاتا - مگر اس کے باوجود نہ کسی نے کبھی اسے متفکر دیکھا، نہ جلد بازی سے کام لیا، نہ آفس میں تاخیر سے پہنچا اور نہ ہی کہیں کام میں فرق آیا۔ جنرل مارشل کی اہلیہ حسب ذیل اسباب بیان کرتی ہے جن کی وجہ سے اس سخت دور میں بھی اس کے شوہر کو ہر ہر قدم پر کامیابی ہوئی نہ اس کے دماغی توازن پر اثر پڑا اور نہ ہی رتی برابر صحت میں فرق آیا۔

اول یہ کہ جنرل مارشل کبھی لمبی لمبی رپورٹیں نہیں پڑھتا صرف خلاصہ حالات پڑھتا ہے۔ خبریں تیار کرنے کی مشین ہے مگر خود نہ کبھی خبریں سنتا ہے اور نہ پڑھتا ہے۔ دوئم یہ کہ ہر کام کو بہت جلدی مگر پوری احتیاط کے ساتھ کرتا ہے۔ اپنی وردی چار منٹ میں بدل لیتا ہے۔ بہت تیزی سے پڑھتا ہے۔ ہر فیصلہ بہت تیزی سے کرتا ہے۔ اس تیزی کے باوجود پورے دھیان سے ہر چیز کو سوچ سکتا ہے۔ سوئم یہ کہ ایکبار جب کوئی اہم فوجی فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر سوچنے ساچنے میں طاقت اور وقت برباد نہیں کرتا بلکہ اب اپنی پوری قوت اور سمجھداری سے اسے عملی جامہ پہنانے میں مصروف نظر آتا ہے۔ چہارم یہ کہ ذہن تیز اور فوجی علم وسیع ہے۔ اس کے دفتر میں نقشوں پر رنگین پن لگے ہوئے نظر نہیں آتے یونہی یاد رکھتا ہے کہ کونسی فوج کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ پنجم یہ کہ علی الصبح اٹھتا ہے ۷ بجے ناشتہ کرنے کے بعد ۲ ۱/ ۷ بجے آفس کا کام شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ دن کے تین بجے کے بعد آج تک کسی شخص نے کوئی نئی چیز پیدا نہیں کی۔ ششم یہ کہ تھکنے سے پہلے آرام کرنے لگ جاتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے لئے اکثر کسی بڑے جنرل کے ہمراہ پیدل گھر آتا ہے۔ راستہ میں دونوں کوئی بڑی فوجی بحث کرتے ہیں۔ کھانا کھانے کے فوراً بعد سو جاتا ہے اور پندرہ منٹ کے بعد تازہ دم ہو کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ ہفتم یہ کبھی فکر کو پاس نہیں آنے دیتا۔ مسز مارشل کا کہنا ہے کہ حالانکہ میرا شوہر بڑی گتھیوں کے سلجھانے میں الجھا رہتا ہے مگر گذشتہ پندرہ برس میں

جب سے ہماری شادی ہوئی ہیں نے نہیں دیکھا کہ ایک منٹ کیلئے بھی میرے شوہر نے اپنی نیند برباد کی ہو۔

جنرل فریکلن بیل جو خود کبھی چیف آف اسٹاف تھا کہتا ہے کہ امریکہ نے جنرل اسٹون وال جیکسن کے بعد جنرل مارشل کا سا فوجی ماہر پیدا نہ کیا۔ جنرل جیکسن یہ وہی نامی ہے جس نے سول وار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے جنوبی حصہ کی قیادت کی تھی اور صدر لنکن ۱۸۶۱ء میں اللہ کے حضور میں نہایت عجز و انکساری کے ساتھ دعائیں مانگا کرتا تھا کہ اے پروردگار شمالی حصہ کو بھی جنرل جیکسن کا سا ایک فوجی رہنما عطا فرمائے۔ اس کے فوجی معرکے آج بھی بڑے بڑے ملٹری کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جنرل عمر براڈلے جو آج کل ریاستہائے متحدہ امریکہ میں جوائنٹ چیف آف اسٹاف کا چیرمین ہے کہتا ہے کہ امریکہ نے جنرل جارج سی مارشل سے بڑا فوجی رہنما پیدا نہ کیا اور دوسرا نمبر جنرل رابرٹ ای لی کو دیتا ہے جس نے ۳ اپریل ۱۸۶۵ء جنرل گرانٹ کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے اور اس کے بعد ہی سول وار بند ہو گئی تھی۔

جنرل پرشنگ جس نے پہلی جنگ عظیم میں یورپ کے اندر امریکن افواج کی کمانڈ سنبھالی تھی کہتا ہے کہ ۱۹۱۸ء میں جنرل مارشل سے بہتر امریکہ کے اندر دوسرا فوجی افسر نہ تھا۔ جنرل پرشنگ سینٹ مہیل سے ارگون ۶ لاکھ آدمی ۳ ہزار بندوقیں، ۴۰ ہزار ٹن گولہ بارود اور ۴۲ اسپتال اس طرح منتقل کرانا چاہتا تھا کہ دشمن کو کانوں کان خبر نہ لگے۔ دو ہفتے کے اندر راتوں میں کام کر کے اس مشکل کام کو جنرل مارشل نے انجام دیا اور

اور اس خوبی کے ساتھ کہ جرمن افواج کو جو کچھ ہوا اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس کے بعد امریکن افواج نے جو جرمن افواج پر حملہ کیا ہے تو وہ مثل تیلی کے بکھر گئیں۔ اس حملہ نے پہلی جنگ عظیم کو جیتنے میں بڑی مدد دی تھی۔

پروفیسر ہیلڈین

جے۔بی۔ایس ہیلڈین نے حالانکہ محض چند ابتدائی درجوں تک تعلیم حاصل کی ہے مگر دنیا کا ایک مشہور سائنسدان ہے۔ انگریز ہے اور اپنے کو خطرات میں گرفتار کرنے کے لئے مانا ہوا ہے۔ بڑا تیز طرار اور دلچسپ انسان ہے۔ اس کی شخصیت قابل تقلید ہے۔ اس کی جوانمردی کی داستانیں سن کر انسان انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ مختلف تجربات کے واسطے اپنے کو فوراً پیش کر دیتا ہے بالفاظ دیگر انسانی چوہا، خرگوش یا گنی پگ ہے۔ کسی زہریلی گیس کے خواص معلوم کرنا ہوں، کسی بیماری کی علامات کا پتہ چلانا ہو اور علاج کی کھوج ہو، کسی زہر کے اثرات کا پتہ چلانا ہو فوراً بلا تامل یہ اس گیس کے سونگھنے، اس زہر کے چکھنے اور اس بیماری میں گرفتار ہونے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اپنی عمر میں صدہا نہایت جان جوکھوں کے تجربات سخت تکالیف برداشت کیں اور کئی بار مرنے سے بچا۔

ایکبار ڈاکٹر کچھ تجربات کتوں کے اوپر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے خود آ گئے آیا اور اپنے کو ڈاکٹروں کے حوالہ کر دیا۔ تجربات ذیابیطس کی منحوس بیماری سے متعلق تھے۔ ہیلڈین کے خون کے اندر بھی تیزابی کیفیت پیدا کی گئی جو ذیابیطس کے مریض کے خون میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد جسم سے بہت سا خون کھینچ کر اس کا کیمیادی امتحان کیا گیا۔ گردوں کے اوپر ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے غدود پائے جاتے ہیں جن کو آئلس آف لنگر ہنس کہتے ہیں اور ان سے جو رس نکلتا ہے اس کو انسیولین کہتے ہیں۔ آٹا، دالیں اور نشاستہ کی قسم سے جو دوسری چیزیں ہم استعمال کرتے ہیں جسم کے اندر پہنچ کر شکر میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ شکر انسیولین کی مدد سے بدن کے اندر گرمی پیدا کرتی ہے۔ جب یہ غدود کافی مقدار میں انسیولین پیدا نہیں کرتے تو جسم کی تمام شکر گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی اور شکر ہی کی شکل میں جسم کے اندر جمع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ جب شکر اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ جسم بھی اس کو اپنے اندر محفوظ نہیں کر سکتا تو قارورہ کے ساتھ خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کو ذیابیطس کہتے ہیں یہ بیماری اسی وجہ سے انسیولین کے انجکشن لگتے رہنے سے دبی رہتی ہے

ہیلڈین کی عمر ابھی ۲۶ برس کی بھی نہ ہو گی کہ اپنے اوپر بہت سے دل ہلا دینے والے تجربات کر چکا تھا۔ ایکبار ڈیڑھ گھنٹہ تک چہرہ، ہاتھ اور پیر اینٹھے رہے۔ تشنج کے اس تجربہ میں اس نے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ غالباً یہ اس کی زندگی کا سب سے خطرناک تجربہ تھا۔ مگر اپنے کو ہلاکت کے

منہ میں ڈال کر ایک ایسا علاج معلوم کر لیا۔ کہ جس کے ذریعہ لاکھوں بچوں کی ہر سال جان ضائع ہونے سے بچنے لگی۔ اس علاج کے معلوم ہونے سے قبل اینٹھن کا فرس، غریب، دبلے پتلے اور سرد مزاج۔ بچوں میں عام تھا۔ ہر سال لاکھوں بچے اس کا شکار ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ہیلڈین اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ زہریلی گیس کاربن مونو اکسائڈ کے چمبر کے اندر اس کے خواص معلوم کرنے کے لئے گھس گیا۔ بہت دیر تک اس زہریلی گیس کے اندر سانس لیتا رہا۔ جسم اکڑ گیا مگر تجربہ پورا کرنے کے بعد ہی نکلا جب ڈاکٹر اس کا علاج کرنے سے عاجز آ گئے تو اپنا علاج خود کرنا شروع کیا ہر روز عرصہ تک دو تین تولہ نوسادر کھاتا رہا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ جسم کی اکڑ اور اینٹھن دور ہو گئی۔ لقوہ کے مریضوں کے واسطے اس طرح اس نے نوسادر کی اہمیت عملی تجربہ سے ثابت کر دی۔

اسپین میں ایک دفعہ مسٹر ڈ گیس کے چمبر کے اندر گھس گیا۔ یہ گیس اس قدر قاتل ہوتی ہے کہ ادھر جسم سے لگی اور ادھر جسم پر نہایت تکلیف دہ آبلے پڑ گئے۔ جنگوں میں دشمن اس کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں گیس ماسک پہنے ہوئے تجربات میں مشغول تھا۔ بہت دیر چمبر کے اندر رہا بیہوش ہو گیا اور اس حالت میں اسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر اس کے نکلے جانے میں چند سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو چمبر کے اندر ختم ہو گیا تھا۔

اس کا کہنا ہے کہ ہر چیز کی عملی جانچ پڑتال اور تحقیق ضروری ہے

فخریہ طور پر اعلان کرتا ہے کہ وہ محض نیم ملا اور نیم حکیم ہے کیونکہ کسی یونیورسٹی کی ڈگری پاس نہیں۔ مستقبل کے واسطے نہایت دلچسپی کے ساتھ پیشین گوئیاں کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے۔(۱) مصنوعی طریقہ پر جانوروں اور پیڑ پودوں یعنی ذی روح چیزوں کی قسمیں تیار کی جائینگی (۲) جو چیزیں ہماری نگاہ سے آج چھپی ہوئی ہیں کل ہم انہیں وائرلیس کی لہروں کی مدد سے دیکھ سکیں گے (۳) امتحان کا طریقہ مٹ جائے گا اور دماغ کو تیز کرنے کے لئے دواؤں کا استعمال ہوگا۔(۴) قریب ۷ گرین اسیڈ سوڈیم فولیفیٹ کی خوراک انسان کی دماغی اور جسمانی کام کرنے کی طاقت کو ۲۰ فیصدی بڑھادیگی (۵) چشموں میں کانچ کے لینس کی جگہ پلاسٹک کے لینس استعمال ہوں گے۔(۶) پچاس برس بعد بجلی اس قدر کم نرخ پر تیار ہونے لگے گی کہ بڑے سے بڑے شہر کو روشن رکھنے کے لئے بھی کچھ خرچہ نہ آئے گا (۷) بیماریوں کا نام دنیا سے مٹ جائے گا (۸) موت مثل نیند کے ایک غیر ارادی چیز ہو جائے گی اور نسلیں ساتھ ساتھ جیا کرینگی اور ساتھ ساتھ مرا کریں گی۔؟
سمندر کی تہہ میں سے نہایت بیش قیمت دھاتیں نکالی جائیں گی (۱۰) بجلی کی مدد سے بایولوجسٹ مکمل مصنوعی انسان تیار کر سکینگے۔

۱۹۵۰ء میں سائنس کی چند ترقیات:۔ ٹیرامائیسن ایک دوا جو خاص قسم کی پھپھوندی سے تیار کی جاتی ہے معلوم ہوئی ہے اور بہت سی بیماریوں کا تیر بہدف علاج ہے۔(۲) سلور آیوڈائڈ اور خشک برف کے ذریعہ مصنوعی طور پر بارش کر کے پانی کا ذخیرہ جمع کیا جانے لگا ہے۔(۳) ٹیرامائیسن

اور ایوریومائیسن جیسی دوائیں جب مرغیوں، بکریوں یا بھیڑوں وغیرہ کی خوراک میں ملا کر دی جاتی ہیں تو یہ جانور تیزی سے بڑھتے ہیں اور وزن بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ (۴) ٹیلی ویژن سٹ امریکہ میں ریڈیو سٹ کی جگہ عام طور پر استعمال ہونے لگے ہیں۔ (۵) پریماکوئن ایک دوا معلوم ہوئی ہے جو جہاں ملیریا کا بہترین علاج ہے وہاں اس کا استعمال ملیریا کی روک تھام کے لئے بہترین بندش بھی ہے۔ (۶) معلوم ہوا ہے کہ ٹرائی ٹیم یا بھاری ہائیڈروجن پانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہائی ڈروجن بم اس سے تیار کئے جائینگے۔ یہ بم ایٹم بم سے کہیں زیادہ مہلک ہوں گے۔ (۷) ایک ہی وقت میں مصنوعی قلب اور مصنوعی پھیپھڑا لگانے میں پہلی بار کامیابی ہوئی ہے (۸) پن ٹسٹ معلوم ہوا ہے کہ سرکان کے تمام علاجوں میں سب سے کامیاب علاج ہے۔ (۹) قلب میں خون کا انجکشن دینے سے مردہ قلب میں دھڑکن جاری کی گئی ہے (۱۰) بالوں سے سوئیوں کے مثل انسان کے استعمال کے لئے خوراک تیار کی گئی ہے +

رابرٹ رپلے

اس کی باتیں لوگوں کو متحیّر کر دینے والی ہیں۔ اس کے پاس ایسی چیزوں کے خزانے موجود ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے مثلاً وہ آپ کو انسان کی کھال پر لکھا ہوا خط دکھائیگا۔ بال کو خوردبین کے نیچے رکھ کر اس پر لکھا ہوا پیغام سنائیگا۔ چاول کا دانہ دکھائیگا جس پر ۱۵۰۷ الفاظ کا خط لکھا ہوا ہوگا یا ایک چڑیا بنی ہوگی جس کو خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھنے سے پتہ چلیگا کہ وہ تین ہزار پانچسو مرتبہ "رابرٹ رپلے" لکھنے سے بنی ہے۔

زبان سے پڑھنے والا آدمی۔ سوامن وزنی آلو۔ ۶ فٹ لمبی سیم کی پھلی دسنگا انڈا۔ چوہا جو بلبل کی مثل گاتا اور بلّی سے محبت کرتا ہے۔ دو دل والا آدمی۔ چار سر والی زندہ بلّی۔ دو سر والی وہیل مچھلی۔ ایک بوری سیمنٹ کھانے والا آدمی۔ گائے جس کی پیٹھ پر بھی تھن اور ان سے دودھ نکلتا ہے۔ انسان جو محض اپنی قوت ارادی کے ذریعہ سر کے بال کھڑے

کو لیتا ہے، جب چاہتا ہے مانگ کاڑھ لیتا ہے اور جب بال کو چاہتا ہے نوچ کر پھینک دیتا ہے۔ سترہ برس کی دادی۔ تین فٹ کا آدمی جس کے آٹھ فٹ لمبے بال۔ دونوں ہاتھوں میں سات سات انگلیوں والا آدمی۔ دونوں سمت چلنے والا دریا۔ دو فٹ لمبے جوتے پہننے والی عورت آنکھ سے ہوا نکال کر چراغ بجھا دینے والا جوانمرد۔ بغیر سر کی مرغی سترہ روز زندہ رہی۔ دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے گالوں پر مسلسل ۳۶ گھنٹے تک چانٹے رسید کئے۔ غرض ایسی ہی مافوق الفطرت ہزارہا معلومات بہم پہنچائیگا وہ ثابت کرتا ہے کہ جنگ واٹرلو کبھی واٹرلو میں نہیں لڑی گئی۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر کھانے کی میز پہ پندرہ مہمان ہوں تو ہر منٹ ان کی پوزیشن بدلنے میں مہمانوں کو تمام ممکن پوزیشن پہ بٹھانے کے لئے ۲۵ لاکھ برس درکار ہونگے (اور اس عرصہ میں وہ اس قدر کمزور ہو جائیں گے کہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکینگے)۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اگر وہ آدھی رات کو مر جائے تو جتنے آدمیوں کو اس کی موت کی خبر ملے اگر وہ سب بارہ منٹ کے اندر دو دو آدمیوں کو اور مطلع کر دیں تو صبح ہونے سے پہلے رابرٹ ریلے کی موت کی خبر پوری دنیا میں عام ہو جائے گی۔

یہ امریکہ میں پیدا ہوا۔ باپ بڑھئی تھا اور چاہتا تھا کہ بیٹا لکڑہارا یا معمار بنے۔ حالانکہ اس نے کبھی ڈرائنگ نہیں پڑھی لیکن پھر بھی دنیا کا بیحد مشہور کارٹونسٹ ہے۔ اس کے کارٹون "مانو نہ مانو" دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ اس سے بڑا دروغ گو دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب اس کو کوئی

"دنیا کا سب سے بڑا دروغ گو" کہکر یاد کرتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتا ہے خط اس تک پہنچانے کے لئے بعض پتہ پر محض اتنا لکھ دیتے ہیں "دنیا کے سب سے بڑے جھوٹ بولنے والے کو ملے" اور وہ اس تک پہنچ جاتا ہے دنیا کے کونے کونے سے اس کے پاس ہر سال کم از کم دس لاکھ خطوط آتے ہیں بہ الفاظ دیگر ہر روز قریب تین ہزار یا ہر گھنٹہ قریب سوا سو خطوط۔

یونتو اس نے پوری دنیا کی سیر کی ہے مگر نہیں دیکھا تو جنرل گرانٹ کا مقبرہ جو اس کے مکان سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ حالانکہ ہر وقت نہایت دور دراز ممالک جانے کی تیاری میں مصروف نظر آتا ہے مگر گذشتہ سات برس کے عرصہ میں اپنے نیویارک کے دفتر میں صرف تین بار گیا۔ یونتو چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا ہے، دماغ بذات خود ایک عجائب خانہ ہے مگر غریب کو نہیں معلوم تو اپنے آفس کا ٹیلیفون نمبر اس کا اسٹینڈیو کتابوں، تصاویر اور دستاویزوں سے بھرا ملیگا مگر سب نہایت اوندھی سیدھی طرح پڑی ہوں گی۔ یہ کھیلوں کا بیحد شوقین تھا ایک مرتبہ بیسبال کھیل رہا تھا۔ گرا اور بازو ٹوٹ گیا۔ اس روز سے کھیل سے توبہ کی اور کارٹون بنانے کا فیصلہ کیا۔ نہایت پریشانی کے عالم میں ۱۹۱۸ء میں اس نے ایک کارٹون "نمونہ مانو" تیار کیا اور اس کے بعد فی ہفتہ ایک کارٹون کے حساب سے دس سال برابر مشق کرتا رہا مگر کسی نے داد نہ دی آخر دسمبر ۱۹۲۸ء میں اس نے ایک کارٹون تیار کیا جس نے پوری قوم کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور یہ دس منٹ میں مشہور ہو گیا اسنے بتلایا کہ لنڈبرگ

پہلا نہیں بلکہ سترھواں آدمی ہے جس نے بحر اوقیانوس ایک اڑان میں پار کیا۔ جب اس سے ثبوت طلب کیا گیا تو یوں جواب دیا لنڈبرگ سے بہت پہلے براؤن اور الکوک ایک اڑان میں یہ سمندر پار کر چکے ہیں اسی طرح انگریزی جہاز آر۔ ۳۴ جس میں ۳۱ آدمی تھے اور جرمن جہاز زیڈ آر۔ ۳ جس میں ۳۳ آدمی تھے بحر اوقیانوس ایک پرواز میں پار کر چکے ہیں پس لنڈبرگ سترھواں آدمی ہے۔ پہلا نہیں۔

جب ولیم رینڈولف ہرسٹ نے یہ کارٹون دیکھا بہت خوش ہوا اور کہا کہ میرے اخبار ایوننگ جنرل کے لئے ہر روز "مانو نہ مانو" کا ایک کارٹون تیار کیا کرو۔ نیویارک کا یہ ایک مشہور اخبار ہے۔ ریلے نے یہ خدمت قبول کر لی اور اب دنیا کی ایک مشہور ترین ہستی ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں لاکھوں آدمی اس کے واسطے کام میں منہمک ہیں اور روزانہ ہر سمت سے بے شمار عجیب و غریب اور نہایت دلچسپ واقعات اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ ان لاکھوں انسانوں میں سے یہ نہ کسی کے نام سے واقف ہے، نہ صورت آشنا ہے اور نہ کسی کو تنخواہ دیتا ہے مگر وہ ہیں کہ اس کو معلومات کے خزانہ بہم پہنچا رہے ہیں ✤

کولمبس

کولمبس سے ایک ہزار برس قبل ایک چینی بدھ مت پیرو نے جس کا نام ہوشن تھا امریکہ معلوم کر لیا تھا۔ کولمبس سے پانچسو برس قبل ایک شخص لائی فرکس نے پھر امریکہ کا کامیاب سفر کیا اور مورخین معترف ہیں کہ جو کھنڈرات آج دریائے چارلس کے کنارے نظر آتے ہیں اسی نے تعمیر کروائے تھے۔

حالانکہ کولمبس نے امریکہ ۲۳ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو معلوم کیا تھا مگر امریکی اس کی یادگار ۱۲ اکتوبر کو مناتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج سے بہت پہلے جو کلینڈر استعمال کیا جاتا تھا وہ سورج سے گیارہ دن پیچھے تھا۔ دنیا کا موجودہ کلینڈر جس کو پوپ گری گوری نے تیار کیا تھا امریکہ نے ۱۷۵۲ء میں اختیار کیا اور یہ سورج سے گیارہ دن آگے ہے۔

کولمبس ابتدا سے سمندری زندگی کا بیحد شوقین تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں اس نے پانیمی گورس کی کتاب میں پڑھا تھا کہ دنیا گول ہے

اور اسی وقت سے اس کو ٹو لگ گئی تھی کہ ہندوستان پہنچنے کا کوئی مختصر راستہ دریافت کرے اور اس طرح دولت اور نام پیدا کرنے میں وہ کامیاب ہو جائے گا۔ جب اس کے اساتذہ نے اس کا یہ خیال سنا تو مضحکہ اڑایا اور کہا کہ اگر اس نے یہ حماقت کی تو وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا کیونکہ دنیا گول نہیں بلکہ چپٹی ہے اور جب وہ دنیا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائے گا تو سوائے اپنے کو سمندر کے سپرد کر دینے کے دوسرا حل نہ پائیگا۔

کرسٹو فر کولمبس ایک بلند ارادہ اور بلند ہمت انسان تھا مخالفت کی ذرا پرواہ نہ کی اور سترہ برس متواتر اس سفر کے واسطے روپیہ حاصل کرنے کی سعی کرتا رہا۔ حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئی کہ بھیک مانگ کر بھی گذر کرنا پڑا اور آخر میں تنگ آ کر اس خیال سے باز رہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ روم کے پادری نے اسپین کی ملکہ آئس بیلا سے اس کی سفارش کی۔ ملکہ نے تین جہاز اس کے حوالے کئے مگر اب لوگ اس کا ساتھ نہ دیتے تھے کیونکہ معاملہ جان جوکھوں کا تھا۔ اس نے کسی پر سختی کی، کسی کو رشوت دی کسی کو دھونس دکھائی، جیلخانہ سے قیدیوں کو اکٹھا کیا اور اس طرح ۸۸ آدمیوں کے ہمراہ ۳ اگست ۱۴۹۲ء جمعہ کے روز طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ایک انقلاب انگیز بحری سفر کے واسطے روانہ ہو گیا۔

نئی دنیا کی ریاستوں میں اس کے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ایک ریاست میں اس کے بہت سے ساتھی قتل کر دئے گئے۔ دوسری ریاست

کے گورنر نے کولمبس کو زنجیروں میں کس کر اور دنیا بھر کے اتہامات لگا کر اسپین واپس بھجوا دیا۔ گو اسپین پہنچ کر اس کو رہائی حاصل ہو گئی لیکن وطن کے لوگوں کا سلوک دیکھ کر اس کا دل نکل گیا۔ تاریخ عالم میں ایک باب کے اضافہ کرنے دالے کو یہ انعام ملا کہ دولت داعزاز کی جگہ وہ نامراد ٹھیرایا گیا اور اس کو اپنی بقیہ زندگی مثل ایک کنگال کے بسر کرنی پڑی۔ غریب کو آخر وقت تک اس بات کا احساس بھی نہ ہوا کہ اس نے ایک نیا ملک تلاش کیا ہے۔ یہی سمجھتا رہا کہ وہ ایک نئے راستہ سے ہندوستان پہنچا تھا اور اسی وجہ سے جو امریکین وہاں آباد تھے چونکہ سرخ چمڑی کے تھے ان کو ریڈ انڈین کا نام دیا۔

جو ملک اس نے معلوم کیا تھا اس تک کو اس کا نام نہ دیا گیا بلکہ ایک نقشہ نویس جس کا نام امیریگو دیسپُسی تھا اس کے نام پر "امریکہ" نام رکھا گیا۔ آخر میں ساٹھ برس کی عمر میں کولمبس افلاس، بے عزتی، نامرادی اور غم کا شکار ہو گیا۔ ایک نہایت تاریک اور مختصر کمرہ میں اس کی موت واقعہ ہوئی جہاں دیوار پر وہ زنجیریں ٹنگی ہوئی تھیں جن میں یہ گرفتار ہوا تھا اور جو چلا چلا کر دنیا کو اس کے محسن کے ساتھ بیوفائی کی داستان سنا رہی تھیں۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو کولمبس سے پہلے ۲ آدمی اور کولمبس کے ۸۸ ساتھی امریکہ کے معلوم کرنے میں اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ کولمبس خود اور اس طرح جو شخص یہ کہے کہ کولمبس پہلا آدمی تھا جس نے امریکہ معلوم کیا وہ اِدھا صحیح ہے۔ ایک آزاد شہری کبھی نہ کہے گا کہ کولمبس پہلا آدمی

تھا جس نے امریکہ معلوم کیا بلکہ وہ ہر ایک حقدار کو چاہیے وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا واجبی حق دینا چاہیگا ۔

مس ہیلن کیلر

اندھی۔بہری اور گونگی لڑکی۔جب پیدا ہوئی عام بچوں کی طرح ہر حیثیت سے بالکل تندرست تھی۔ابھی ۱۹ مہینہ ہی کی تھی کہ ایک شدید بیماری نے اسے اندھا۔بہرا اور گونگا کر دیا۔یہ بہت ضدی ہوگئی اور بظاہر اس کی مستقبل زندگی ہمیشہ کیلئے تاریک ہوگئی۔مس اینی سلیوان جو خود سخت غربت اور مصائب میں پلی تھی ۱۴ برس کی عمر میں اندھی ہوتے ہوئے بچی تھی اور بوسٹن کی نابیناؤں کی پرکنس انسٹیٹیوٹ میں کافی عرصہ رہ چکی تھی اس نے اس لڑکی کی تعلیم و ترتیب اپنے ذمہ لی۔تاریخ عالم میں ایسے حیرت انگیز استاد و شاگرد کی دوسری مثال نہ ملیگی۔

مس ہیلن کیلر نیویارک میں ایک نہایت پرفضا مقام پر رہتی ہے حالانکہ بالکل نابینا ہے مگر اوسط درجہ کے آدمی کے مقابلہ میں ۱۰۰ گنا زیادہ کتابیں پڑھ چکی ہے اور بہت سی خود قلمبند بھی کی ہیں جن میں میری زندگی کی کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔بالکل بہری ہے مگر جن

کے کان ٹھیک ہیں ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ موسیقی سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ پیانو یا والولن کی لکڑی پہ ہاتھ رکھ لیتی ہے یا گویّہ کے حلق پہ آہستہ سے انگلی اور موسیقی سے حظ حاصل کرتی ہے

اس کی قوت لامسہ اس قدر تیز ہے کہ بولنے والے کے ہونٹوں پہ آہستہ سے انگلی رکھ لینے کے بعد وہ جو کچھ کہہ رہا ہو سمجھ جاتی ہے۔ اگر ایکبار کسی سے مصافحہ کرے اور پانچ برس بعد پھر اسی آدمی سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہو تو مصافحہ کرتے ہی جہاں یہ بتا دیگی کہ وہ کون ہے وہاں یہ بھی کہ اس وقت وہ غصہ تھا، خوش تھا یا مغموم تھا۔ یورپ اور امریکہ کی سیاح ہے اور حالانکہ ابتدا میں پورے دس برس گونگی رہی پھر بھی ہزارہا جگہ نہایت پرجوش تقاریر کر چکی ہے۔

تیرتی ہے۔ کشتی چلاتی ہے۔ گھوڑے کی سواری کی شوقین ہے۔ خاص قسم کے مہرے اور گوٹیوں سے شطرنج اور ڈراف کھیلتی ہے۔ ایسے ٹائپ رائٹر سے مضامین چھاپتی ہے جس پہ ابھرے ہوئے نقطہ آتے ہیں۔ حالانکہ ہم میں سے اکثریت اندھے پن کو شدید ترین بد قسمتی تصور کرتی ہے لیکن خود ہیلن کیلر کو اندھے ہونے کے مقابلہ میں بہرے ہونے کا زیادہ ملال ہے۔ کہتی ہے کاش میں مخلص دوستوں اور دوسرے انسانوں کی آوازیں سننے کے قابل ہوتی۔

اس اندھی، بہری اور گونگی لڑکی نے ایک مہینہ کی قلیل مدت میں نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر کے مس اینی سلیوان

نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ہیلن کیلر کے نابینا ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کے اندر شاید کوئی چھٹی قوت کارفرما ہو مگر تجربات نے انکشاف کر دیا ہے کہ اس کی قوت لامسہ قوت شامہ اور قوت ذائقہ بالکل اوسط درجہ کی ہے۔ ہیلن کیلر کی زندگی میں سب سے مبارک وہ دن تھا جب اس کو پہلی بار معلوم ہوا کہ قوت ناطقہ بھی کوئی چیز ہے۔ وہ خوش اور بیقرار ہو کر بار بار یہ جملہ دہراتی تھی اب میں گونگی نہیں! اب میں گونگی نہیں!" یہی وہ جملہ ہے جو سب سے پہلے اس نے اپنی زبان سے ادا کیا۔

مس ہیلن کیلر کی عمر جب پندرہ برس کی تھی مارک ٹوئن نے کہا تھا کہ انیسویں صدی کی سب سے زیادہ دلچسپ ہستیاں ہیلن کیلر اور نپولین کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں بھی سب سے زیادہ دلچسپ اور غیر معمولی ہستی اسی کی ہے۔ سینٹ ڈنسٹن جو لندن میں اندھوں کی انسٹیٹوٹ ہے وہاں کے سائنسدانوں نے حال ہی میں ایک آلہ تیار کیا ہے۔ یہ ایک بڑی سی ٹارچ کا سا ہوتا ہے اور اس کی مدد سے اندھے آوازیں سن کر راستہ کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ تھوڑی سی مشق کے بعد ایک ایسے کمرہ میں داخل ہو سکتے ہیں جو فرنیچر سے بھرا ہو۔ سنسان سڑک پر بجلی کا کھمبا اور پوسٹ بوکس وغیرہ معلوم کر سکتے ہیں۔ دیوار کے سہارے چل سکتے ہیں اور چھ گز کی دوری سے آدمی کی موجودگی کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ لیکن ہیلن کیلر کے زمانہ میں اتنی بھی آسانی نہ تھی ٭

لینن

لینن کے انتقال کو ۲۷ برس گذرے مگر آج بھی بیس کروڑ روسی انسان اس کو مثل اپنے دیوتا کے مانتے ہیں۔ غریب اور مزدور بالخصوص یہ کہتے ہیں کہ وہ پھر سے جنم لیگا اور حاجت مندوں کی مشکل کشائی کریگا قدردان قوم نے سات لاکھ کی آبادی کے ایک شہر کو لینن گراڈ کا نام دیا ہے۔ روس کے ہر گھر، فیکٹری، دفتر اور کلب میں لینن کا فوٹو نظر آئیگا۔ قالین بننے والے قالینوں پر، کیک بنانے کیکوں پر اور مالی باغوں میں پھولوں سے اس کی شبیہہ بناتے ہیں۔ اس کا مردہ جسم سنٹرل لینن میوزیم میں کانچ کے ایک تابوت کے اندر رکھا ہوا ہے اور روزانہ ہزارہا زائرین ننگے سر خراج عقیدت پیش کرنے حاضر ہوتے ہیں

گذشتہ پندرہ برس میں ایک کروڑ سے زائد زائرین اس میوزیم کی سات ہزار نادر چیزوں کو دیکھ چکے ہیں۔ یہ میوزیم ریڈ اسکوائر ماسکو جہاں لینن مزدور طبقہ کے واسطے تقاریر کرتا تھا اس کے قریب آج سے

پندرہ برس پہلے اسٹالن نے تیار کروایا۔ شہر کے بیچوں بیچ واقعہ ہے بہت خوبصورت بنا ہوا ہے اور روس کے گوشہ گوشہ سے یہاں سڑکیں آکر ملتی ہیں۔ عورتیں، بچہ، ایکٹر، سائنسداں، جہازراں، مصنف غرض ہر قسم کے ہزارہا آدمی ہر وقت یہاں آتے جاتے دکھائی دیتے ہیں جو روسی باشندہ ماسکو آتا ہے چاہے چند گھنٹہ ہی کے واسطے آئے لینن کے مزار پر حاضری دیے بغیر واپس نہیں جاتا۔ لینن موجودہ روس کا بانی ہے۔ میوزیم کے اندر دور انقلاب کے کثیر تعداد فوٹو ہیں۔ لینن کے استعمال کا سامان، اس کی کتابیں دستاویز، اخبارات، نقشہ اور بہت سی دوسری چیزیں محفوظ ہیں۔ دشمن کی گولیوں سے چھدا ہوا ایک کوٹ ہے جو لینن پہنا کرتا تھا۔ ایک چاء دانی ہے جو لینن ۱۹۱۷ء میں اپنی جلاوطنی کے دور میں استعمال کیا کرتا تھا۔

اس کا پورا نام ولڈیا ایلیانو ولینن تھا۔ دور حاضرہ کا ایک بہت بڑا انسان تھا۔ قد پستہ، سر گنجا، چہرہ پر جھریاں، ناک قدرے مڑی ہوئی اور ایک آنکھ بھینگی تھی۔ پیر اس قدر چھوٹے تھے کہ جب کرسی پر بیٹھتا تھا فرش سے اوپر رہتے تھے۔ اس نے کبھی زیبائش کا خیال نہ کیا کسانوں کی سی نہایت سادہ زندگی گذارتا تھا بچپن ہی سے نہایت سادہ، تنہائی پسند اور سنجیدہ تھا۔ کبھی دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا نہیں پایا گیا۔ انگریزی، روسی، جرمنی اور فرانسیسی زبانیں بول سکتا تھا قانون کی تعلیم ضرور حاصل کی تھی لیکن موسیقی، شاعری اور مذہب

سے کوئی سروکار نہ تھا۔ جلاوطن کر کے جب سائبیریا کے نہایت سرد اور ویران ملک میں بھیجا گیا تو چونکہ وقت بہت ملتا تھا شطرنج کھیلنا شروع کیا اور اس کھیل میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ ایک ہی وقت میں کئی کھیل کھیل سکتا تھا۔ اس کی بیوی اس سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ جلاوطنی میں بھی اس کو تنہا نہ چھوڑا خود بھی ساتھ رہی تاکہ شوہر کی خدمت کر سکے۔

یعنی جب سائبیریا میں جلاوطنی کے دن پورے کر رہا تھا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ روسی کسان کس قدر غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ افلاس کا یہ عالم تھا کہ سال میں بیس روز بھی بمشکل تمام گوشت کھا پاتے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں جب لاکھوں کسان ہیضہ اور قحط سالی کی نذر ہو گئے تو لینن نے تہیہ کر لیا کہ وہ حکومت وقت کا تختہ پلٹ کر باز آئے گا۔ وہ اب ایک نہایت جوشیلا انسان تھا۔ اس کا تعاقب برابر کیا جا رہا تھا اور وہ اپنی جان بچاتا انگلینڈ، جرمنی، فرانس، پولینڈ آسٹریا اور سوئزرلینڈ میں بھاگتا پھرتا تھا۔ جب وہ لندن میں تھا اکثر سوشلزم کا رل مارکس کے مزار پہ جاتا اور گھنٹوں گہری سوچ میں بیٹھا رہتا تھا۔

گرفتاری سے بچنے کے لئے کبھی سیاح بنتا اور کبھی کسان۔ کبھی مونچھیں بنتا اور کبھی عورت کا بھیس بدلتا۔ جیل خانہ کے اندر اس نے ایک انقلاب انگیز کتاب سیاہی کی جگہ دودھ سے لکھی تاکہ ہر کوئی

نہ پڑھ سکے۔ اس کتاب کے اوراق کو گرم پانی کے اندر ڈال کر پڑھا جاسکتا تھا۔ اس نے اپنے شاگردوں یعنی بالشویک پارٹی کے ممبروں کو بھی یہی سبق دے رکھا تھا۔ جب کوئی ایسا خط آتا تو وہ جیل گارڈ سے فوراً چاء منگواتا اور جوں ہی گارڈ کی پیٹھ مڑتی خط کو گرم چاء کے اندر ڈال کر پڑھ لیتا تھا۔ یہ بالشویک پارٹی کا بانی تھا۔ اس تحریک کے مختلف منازل لینن میوزیم کے اندر دستاویزوں، فوٹوؤں اور نقشہ جات کی شکل میں آج بھی محفوظ ہیں جیل خانہ، جلاوطنی، ڈر یا دھمکی لینن کو اس کے اٹل ارادہ سے ہٹا نہ سکی۔ یہ اسٹالن کو بہت چاہتا تھا۔ لینن کی زندگی کے نمایاں پہلو اس کی سادگی اور دغاداری دکھیا ہیں۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء لینن روس کا ڈکٹیٹر بن گیا۔ روسی انقلاب نے زار شہنشاہیت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لینن نے تمام پرائیویٹ جاگیریں اور مال و متاع ضبط کر لیا اور جوں ہی ان پر کسانوں کا قبضہ ہونے لگا مالک خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے اب حال یہ تھا کہ بے بہا گلدستہ دان جن کو یورپ کے نامور کاریگروں نے تیار کیا تھا ان میں چٹنی، اچار اور مربہ تیار ہوتے تھے بیش قیمت قالین اور بہ دول کو کاٹ کر جوتے بنائے جا رہے تھے۔ پورا روس قحط میں گرفتار تھا۔ لینن نے بھی چاء کے اندر شکر کا استعمال بند کر دیا کیونکہ عوام الناس کو شکر نہ ملتی تھی۔ لینن حالانکہ اب روس کا بادشاہ تھا مگر ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے کو لہو و لعب میں گرفتار نہ ہونے

دیا۔ اپنے دفتر کا کام خود سنبھالتا تھا۔ ہر خط کا جواب خود تحریر کرتا تھا۔ اس کے پاس کوئی نائب یا سکریٹری نہ تھا۔ چوبیس گھنٹہ میں ۱۸ سے ۲۰ گھنٹہ تک روزانہ کام کرتا تھا۔ پانچ سال بعد لقوہ میں گرفتار ہو گیا۔ اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی۔ سیدھا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ نئے سرے سے بولنے الٹے ہاتھ سے لکھنے کی مشق کی۔ دو سال مسلسل موت کے خلاف سخت جنگ کی۔ بار بار کہتا تھا "ابھی میرے پورا کرنے کے لئے بہت کام باقی ہے"

چرچل

مسٹر ونسٹن چرچل ۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء میں انگلستان کے مشہور محل بیلنہم میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں امریکن اور باپ لارڈ رنڈولف چرچل ایک مشہور انگریز تھا۔ چرچل ہی وہ شخص ہے جس نے گذشتہ جنگ عظیم میں نہ صرف خزانہ برطانیہ بلکہ پوری اتحادی اقوام کو ڈوبنے سے بچایا۔ ہر ہٹلر نے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگ دیکم کا اعلان کر دیا۔ جنگ شروع ہونے سے کہیں پہلے سے چرچل بار بار انگلستان کو آگاہ کر رہا تھا۔ کہتا تھا کہ نازی تیزی سے اپنے کو مسلح کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ امن پسند ممالک متحد ہوں، لیگ آف نیشنز پھر سے وجود میں آئے اور جنگ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں مگر اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیتا تھا۔ جنگ کو چھڑے ۸ مہینہ ہو گئے۔ مغربی یورپ میں قیامت برپا تھی۔ برطانیہ وزیر اعظم چمبرلین کی پالیسی سے عاجز تھا۔ آخر نہایت تاریک دور میں جب فرانس ڈوب رہا تھا اور جرمنی کی نگاہ انگلستان کی

جانب تھی ۱۳ مئی ۱۹۴۰ء کو چرچل وزیر اعظم بنایا گیا۔

وزیر اعظم بنتے ہی قوم میں نئی روح پھونک دی۔ قوم کو حقیقت سے روشناس کرایا۔ خطرات سے بیدار کیا۔ قربانیاں طلب کیں۔ صاف صاف کہدیا حکومت سے بھی اور قوم سے بھی کہ میرے پاس آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے سوائے خون، جانفشانی، آنسوؤں اور پسینہ کے کچھ نہیں۔ بزرگوں کی داستانیں سنائیں۔ روح پرور پیغامات بھی اور دیکھتے دیکھتے اپنی قیادت میں جنگ کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ وہی ہٹلر اور مسولینی جو پوری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے اب سرنگوں تھے۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ نازیوں کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوئے۔ جتنا تیز چلے تھے اتنی ہی سخت ٹھوکر کھائی۔ دوران جنگ کا یہ وزیر اعظم بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔ انگریز اس کی مبارک ہستی پہ جتنا فخر کریں کم ہے۔ کافی عمر رسیدہ ہونے کے باوجود نہایت تنومند اور چست و چالاک ہے۔ نہایت صاف گو ہے۔ بڑا دوربین انسان ہے۔ زبردست نبّاض ہے اور بڑا گہرا سیاس ہے۔

اپنے وقت کا سب سے بہتر مقرر ہے۔ برٹش پارلیمنٹ میں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ لیڈر آف اپوزیشن ہے۔ اعلیٰ درجہ کا آرٹسٹ ہے کئی بے نظیر کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کی دوران جنگ کی تقادیر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بال کی کھال نکالتا ہے اور کسی کو نہیں بخشتا۔ عمدہ تیراک ہے۔ نشانہ بہت اچھا ہے۔ گھوڑے کی سواری اور پولو کا

کا شوقین ہے۔ اس کی قدر سب سے زیادہ دوران جنگ میں ہوتی ہے گذشتہ جنگ میں ۱۸ گھنٹہ روز کام کرتا تھا۔ ذمہ داریوں کی وجہ سے پیٹ اتنا بڑھ گیا تھا کہ پچھلے تمام ہیٹ چھوٹے ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی غضب کی محنت کرنے والا انسان ہے۔ ایک ہی وقت میں کئی کئی سکریٹریوں کو مضامین بولتا ہے۔ اس کے اس قدر کام کرنے کے باوجود نہ تھکنے کا راز یہ ہے کہ تھکنے سے پہلے آرام کرنے لگ جاتا ہے۔ کام بھی کرتا رہتا ہے اور آرام بھی کرتا رہتا ہے۔ ۷ بجے صبح اٹھتا ہے مگر ۱۰½ بجے تک لحاف میں دبا دبایا ایک موٹا سا سگار منہ میں دبائے بستر پر پڑا رہتا ہے۔ اسی حالت میں اخبار پڑھتا ہے۔ ٹیلیفون کرتا ہے۔ تار بھیجتا ہے۔ رپورٹیں تیار کرتا ہے اور خطوط لکھواتا ہے۔

بستر سے نکلنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ایک پرانے قسم کے ریزر سے شیو کرتا ہے۔ ایک بجے کھانا کھا کر پھر ایک گھنٹہ سوتا ہے۔ اس کے بعد پھر کام شروع کرتا ہے اور پانچ بجے پھر آدھا گھنٹہ سوتا ہے اور رات کے کھانے کے بعد اکثر آدھی رات تک کام میں مشغول نظر آتا ہے۔ مسز چرچل ایک بڑی سمجھدار عورت ہے۔ اپنے شوہر کے مذاق سے بخوبی آگاہ ہے۔ گذشتہ جنگ میں چرچل کی نمایاں کامیابی کی ایک وجہ اس کی سمجھدار اہلیہ بھی تھی۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک چرچل برابر جنگ دوئم کے خطرہ کا اعلان کرتا رہا۔ چلا چلا کر کہتا تھا کہ جرمنی تیزی سے مسلح ہو رہی ہے۔ ہٹلر ٹینک بندوقیں اور جہاز تیار کر رہا ہے تاکہ جزائر برطانیہ پر بمباری کرے اور

پوری دنیا کو زیر کر لے۔ کاش انگلستان نے اس خطرہ کے اعلان کی طرف ذرا بھی دھیان دیا ہوتا تو دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کا اتنا نقصان نہ ہوتا

بچپن سے اس کو سپاہی بننے کا شوق تھا۔ ملٹری کے مشہور کالج سینڈ ہرسٹ میں تین بار داخلہ لینے کی سعی کی مگر ناکام رہا۔ چوتھی بار کامیاب ہوا اور وہاں سے ڈگری حاصل کر کے کئی برس تک انگریزی فوج کی خدمت کی

چرچل اپنی جرأت اور بہادری کے واسطے ضرب المثل ہے۔ جنگ بوئیر کی خبریں بھیجنے کے ۱۸۹۹ء میں جنوبی افریقہ اخبار مورننگ پوسٹ کے نمائندہ کی حیثیت سے گیا۔ جہاں واقعات قلمبند کرتا وہاں خبریں دماغ سے ڈھالتا بھی تھا۔ بوئیرز نے اس کو گرفتار کر لیا مگر یہ جیل خانہ سے بھاگ نکلا چالیس فٹ اونچی دیوار کو پھاند کر۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے واسطے ایک کثیر رقم کا اعلان ہوا۔ صدہا میل دشمن کی ریاست کو طے کیا۔ کوئلہ کی کانوں اور جنگلوں میں سوتا۔ کبھی پیدل چلتا اور کبھی مال گاڑیوں پر، دریاؤں کو پار کرتا، وادیوں سے گذرتا۔ گدھ سر کے اوپر منڈلاتے کہ یہ گرے تو وہ چٹ کریں۔ اس نے اپنی رہائی کی کہانی خود قلمبند کر کے شائع کی جو نہایت دلچسپ تھی۔ بہت مقبول ہوئی اور یہ نیشنل ہیرو قرار دیدیا گیا۔ ابھی ۲۶ برس ہی کا تھا کہ پارلیمنٹ کا ممبر چن لیا گیا۔ وہ دن اور آج کا دن برابر برٹش پارلیمنٹ کا ممبر چلا آرہا ہے۔ شاید اس سے زیادہ پرانا دوسرا ممبر برٹش پارلیمنٹ کے اندر نہیں۔

اس کا نصب العین ہے "خطرہ سے کبھی نہ بھاگو" بھاگا تو در کنار یہ

اپنے کو خطرات کے منہ میں ڈالنے میں مزہ لیتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں جب انگریزی بحری بیڑے کا پہلا لارڈ آف ایڈمائرسلٹی بنایا گیا تو اس وقت برطانیہ کے پاس صرف چھ آبی اور چھ ہوائی جہاز تھے۔ ہوائی جہاز کو ایجاد ہوئے ۸ برس گذرے تھے۔ جہاز پر چڑھنا جان جوکھوں کا معاملہ تھا مگر چرچل نے حکومت کے منع کرنے کے باوجود جہازوں کو بار بار خود چلایا۔ کئی بار بال بال بچا مگر ہمت نہ ہاری۔ کہتا تھا کہ یہ دیکھ رہا ہے کہ آئندہ جنگوں میں جہازوں کا بڑا حصہ ہوگا اور اس لئے ان کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل کرنا ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ برٹش نیوی کی ایر فورس کو چرچل ہی نے تیار کیا ہے۔ چرچل جب کسی کو بڑا ملٹری عہدہ دینا چاہتا ہے تو پھر یہ نہیں سوچتا کہ اسے مخصوص ٹریننگ ملی ہے یا جنگلوں میں خرگوش اور لومڑیوں کا شکار کھیلا ہے گذشتہ جنگ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور جنرل آئزن ہاور کا تقرر کر کے اپنی عادات کا عملی ثبوت دیا۔

۱۹۲۱ء میں امریکہ کا دورہ کیا ۵۴ لیکچر دئے اور ہر لیکچر کا معاوضہ اس کو ۲۲۰ پونڈ ملا۔ کچھ لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور قتل کرنے کی دھمکی دی۔ امریکن پولس نے چاہا کہ تقاریر کا سلسلہ منقطع کرا دے مگر چرچل نے ہمت سے کام لیا۔ تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا اور کہدیا کہ جب کوئی دھمکی دے تو بزدل بن کر نہ بھاگو فوراً دلیری سے مقابلہ کرو تم دیکھو گے کہ خطرہ آدھا رہ جائے گا اور اگر بھاگ نکلے تو دشمن شیر ہو جائے گا اور خطرہ دگنا ہو جائیگا۔ یہ آہنی ارادے کا مالک ہے۔ اور جب کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو مثل شکاری کتے کے اس کا پیچھا کرتا ہے گذشتہ جنگ عظیم میں جب ۱۸ گھنٹے یومیہ کام کر رہا تھا کسی نے اس سے دریافت کیا کہ ان ذمہ داریوں سے آپ

پریشان تو نہیں تو جواب دیا کہ میرے پاس اتنا بھی وقت نہیں کہ میں پریشانی کا تصور بھی کر سکوں۔ میں بہت زیادہ مشغول ہوں۔ عالم یہ تھا کہ بستر پر پہنچے ہی ۵ منٹ کے اندر سو جاتا تھا۔

چرچل ایک نہایت ناکامیاب طالب علم تھا۔ حساب، فرانسیسی، لاطینی اور دوسری غیر زبانوں سے گھبراتا تھا۔ کہتا تھا کہ پہلے مادری زبان یعنی انگریزی پر مہارت حاصل کرو اس کے بعد کسی غیر زبان کو اپنانے کی سوچو۔ حالانکہ حساب میں بیحد کمزور تھا اور اس مضمون سے سخت نفرت کرتا تھا مگر برٹش پارلیمنٹ میں چار سال برابر چانسلر آف اکسچیکر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۲۱ برس کی عمر میں جب انگریزی فوجوں کے ساتھ ایک افسر کی حیثیت سے بنگلور جنوبی بھارت میں مقیم تھا عہد کیا کہ ایک کامیاب انسان بنکر نام پیدا کریگا۔ فوراً انگلستان سے جملہ مضامین پر کتابیں منگوائیں اور پڑھنا شروع کر دیا۔ ساتھی تو دوپہر کی گرمی سے تنگ آکر پڑے رہتے اور یہ گرمی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے شکسپیئر اور گبن کو ہضم کرتا۔ برسوں کنگز انگلش یعنی اعلیٰ درجہ کی انگریزی لکھنے کی مشق کی اور حقیقت یہ ہے کہ آج بہترین انگریزی لکھنے والا انسان ہے۔ نئے نئے چبھتے ہوئے، موزوں، مناسب اور نہایت جامع فقرہ ڈھال لینے میں مانا ہوا استاد ہے۔ ابتدا میں نہ آواز اچھی تھی اور نہ تقریر کرنا ہی جانتا تھا مگر آج شاید اس سے دنیا میں دوسرا مقرر نہیں۔ بلا کا حاضر جواب ہے۔

نکولس دوم

یہ روس کا آخری زار تھا۔ آج سے قریب ۳۳ برس پہلے اس شاہی خاندان کے قتل کی روداد دل ہلا دینے والی ہے۔ مسلسل تین سال سخت کشت و خون ہونے کے بعد ۱۹۱۷ء میں اس کی فوجوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ باغی ہو گئیں۔ اسی سال ۱۴ مارچ کو آدھی رات کے قریب جرنیلوں کی ایک کمیٹی محل میں داخل ہوئی اور زار سے کہا کہ آپ کو فوراً گدی خالی کرنا پڑے گی اور شہنشاہی تزک و جلال سے ہاتھ دھونا ہوگا۔ زار یہ سن کر چکرا گیا، پیلا پڑ گیا، ہارٹ فیل ہو رہا تھا اور یہ گرا چاہتا تھا۔ تمام رات نیند نہ آئی اور شکسپیر کا مشہور ڈرامہ جولیس سیزر پڑھ کر کاٹی دوسرے دن سوا گیارہ بجے اس نے ایک معمولی پنسل سے شہنشاہی سے علیحدگی کے کاغذات پر دستخط کر دئے اور کہا "خدا کا شکر ہے میری مراد بر آئی۔ اب میں اپنے وطن کریمیا جا کر پھلواری لگاؤں گا جس سے مجھ کو بےحد شوق ہے"

باغیوں نے زار کو معہ خاندان کے زندگی کے آخری ایام میں یورال

پہاڑ کے دامن میں ایک گاؤں میں ایک پرانے مکان کے دو بوسیدہ کمروں میں مقید کر دیا تھا۔ قیدیوں کے مثل دن میں دو بار باجرے کی روٹی اور پتلی دال کھانے کو ملتی۔ سامان عیش اور دودھ، شکر، مکھن، قہوہ اور گوشت اب کہاں رکھا تھا۔ بوسیدہ کمروں کی کھڑکیوں پر روغن کر دیا گیا تھا تاکہ باہر نہ دیکھ سکیں۔ کھڑکیوں کے کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ ایکبار سانس لینے کی خاطر سب سے چھوٹی شہزادی نے ذرا کھڑکی کھولی ہی تھی کہ ایک سپاہی نے تاک کر اس کی طرف بندوق چلا دی۔ ایک چھوٹے سے باغ میں ان کو دن میں صرف پانچ منٹ گھومنے کی اجازت تھی۔ بیماری کی وجہ سے چھوٹا شہزادہ چل نہ سکتا تھا پس باپ اس کو گود میں لیکر ٹہلتا تھا۔

نیم برہنہ پہرہ دار سپاہی شہزادیوں سے بد کلامی کرتے اور راتوں کو کمرہ کی کھڑکیوں کے نیچے بیٹھکر فحش اشعار گاتے۔ ایک سپاہی نے ایک روز یہ کہکر کہ اب تم کو روپیہ پیسہ کی کیا ضرورت ہے ملکہ سے اس کا بٹوہ اور پاکٹ بک چھین لی۔ ملکہ تیز مزاج اور غصیل تھی سپاہی پر بہت بگڑی مگر زار جو ملنسار اور نرم دل آدمی تھا ٹال گیا۔ ۱۶ / جولائی ۱۹۱۸ء آدھی رات کو شہر میں بلوہ ہو گیا۔ پہرہ دار سپاہیوں کا کپتان آیا زار اور اس کے خاندان کو جگا کر بلوہ کی اطلاع دی اور کہا جلد تیار ہو جاؤ تاکہ موٹریں تم کو امن کی جگہ لے جائیں۔ یہ سن کر ملکہ اس درجہ خوفزدہ ہوئی کہ گری پڑتی تھی۔ بیمار بچہ کو گود میں لئے ایک کرسی پر بٹھا دی گئی۔ باغی اتنے ہی میں غل مچاتے آموجود ہوتے اور کہا "تمہارے دوست تم کو بچانا چاہتے

تھے مگر اب ہم تم کو قتل کریں گے۔ یہ کہکر ایک باغی نے زار کے قلب پہ گولی ماری جس سے وہ غریب وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ باغیوں نے اب شہزادیوں پہ گولیاں چلانا شروع کیں۔ قیامت کا منظر تھا۔ جوش میں باغی پاگل ہو رہے تھے بار بار گولیاں چلاتے اور نشانے خطا ہوتے۔ لاچار اور مجبور شہزادیاں خوف سے چلاتیں۔ کمرہ میں ادھر اُدھر بھاگیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے چھپتیں یا پردوں کے تکیوں سے اپنے کو بچاتیں۔

آخر باغیوں نے سب کو مار ہی ڈالا۔ برچھیوں سے جسموں کو گودا اور لاشوں کے ٹکڑے کر کے پٹرول چھڑک کر جلا دیا۔ اس کے بعد جلے ہوئے جسموں اور راکھ کو ایک گڑھے میں ڈالدیا۔ ملکہ اور شہزادیوں نے کچھ جواہرات اپنے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے جو باغیوں کو راکھ کے ڈھیر میں ملے۔ یہ سچ ہے کہ نئی روسی حکومت حال ہی میں قائم ہوئی تھی مگر شاہی خاندان کے اس بے درد قتل میں اس کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ یہ محض چند باغی جنونیوں کا فعل تھا جو اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ علم ہوتے ہی حکومت نے باغیوں کو گرفتار کر وایا اور زار روس کے قتل کے سلسلہ میں فوراً پانچ کو گولی سے اُڑوا دیا۔ ۱۹۲۰ء میں امریکن کونسل کی مدد سے یہ جلے ہوئے جسم اور راکھ لکڑی کی ایک معمولی پیٹی کے اندر بند کر کے پیرس پہنچا دئے گئے۔ پیٹی کھولنے پر بہت سی دوسری چیزوں کے ساتھ ملکہ کی ایک انگلی بھی نکلی جس میں اس کی شادی کی انگوٹھی موجود تھی۔ یہ سب اب پیرس میں دفن ہیں۔

نکولس دوئیم دنیا کا ایک بہت زبردست شہنشاہ اور یورپ کا سب سے مالدار انسان تھا۔ قتل کے وقت آٹھ کروڑ ڈالر کے ہیرے جواہرات اور پانچ کروڑ ڈالر کی قیمت کی زمین کا مالک تھا۔ ماہانہ آمدنی دس کروڑ ڈالر یا یوں سمجھئے کہ ۲۴ ڈالر فی سیکنڈ تھی۔ ۲۵ برس دنیا کی سب سے بڑی ریاست یعنی روس کے ۲۰ کروڑ انسانوں کی آبادی پر حکومت کی مگر غریب ایک چھوٹی سی تاریک اور جالوں سے بھری ہوئی بوسیدہ کوٹھری میں معہ اہل وعیال شوٹ کیا گیا۔ کیسے شاندار آغاز کا کیا انجام ہوا

یہ ہے رازِ کمالِ زندگی یا مآلِ زندگی اے غلامِ زندگی!

جنرل ایشن ہاور

۱۹ دسمبر ۱۹۵۰ء کو صدر امریکہ مسٹر ٹرومین نے اعلان کیا کہ جنرل ائیشن ہاور مغربی یورپ کے دفاع کا سپریم کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اب یہ مغربی یورپ کے بارہ اٹلانٹک پیکٹ کے ممالک کی افواج کی اجتماعی طور پر کمانڈ سنبھالیگا۔ مغربی یورپ کو کمیونزم کے غلبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کا یہ کام اس کے گذشتہ جنگ عظیم کے کام سے کہیں زیادہ ذمہ داری کا ہے۔ روسی فوج ہٹلر کی فوج سے کہیں زیادہ زبردست ہے۔ مغربی یورپ کے بارہ اٹلانٹک پیکٹ کے ان مختلف ممالک کے اندر خود پہلے سے روس کے ۶۵ ڈویژن اور ۱۲ ہزار ہوائی جہاز موجود ہیں۔ یورپ کے ان بارہ ملکوں کی خود اپنی فوجی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ فرانس کے ۵۰ ہزار سپاہی انڈوچین میں لڑ رہے ہیں۔ ائیشن ہاور کا ہیڈ کوارٹر شیپ پیرس میں آرک ڈی ٹرائیومفی کے قریب بنایا گیا ہے جہاں ۵½ سال پہلے اس نے اپنے نائب لارڈ ٹیڈر کے ہمراہ پیرس

کی جرمنی کی غلامی سے آزادی کی خوشی میں" نامعلوم سپاہی کی تربت" پہ چراغ جلایا تھا۔ یہ حال میں مغربی یورپ کا فوجی جائزہ لے کر امریکہ واپس گیا ہے۔ مغربی یورپ کے اس دورہ میں کمیونسٹوں نے اس کے خلاف بارہا جگہ سخت مظاہرے کئے اور روس نے اس کو" یورپ کا میک آرتھر" کا خطاب دیا۔

مئی و جون ۱۹۵۰ء میں جب عزت مآب لیاقت علی خاں صاحب وزیر اعظم پاکستان امریکہ کے دورہ پر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت جنرل ایشن ہاور کولمبیہ یونیورسٹی نیویارک کا صدر تھا اور یونیورسٹی کیجانب سے آپ کو ڈاکٹر آف لا کی ڈگری عنایت کی تھی۔ یہ بڑا عابد و زاہد انسان ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں جب انگلش اور امریکن افواج کی کمانڈ سنبھالنے کے لئے امریکہ سے انگلینڈ روانہ ہوا تو اس وقت اپنے ساتھ ہوائی جہاز پر صرف ایک کتاب لی اور وہ تھی انجیل مقدس۔ جن لوگوں کو یہ پسند نہیں کرتا ان کے متعلق سوچنے میں کبھی ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتا۔ بہت تیز پڑھتا ہے۔ امن کے زمانہ میں ایک ایک رات میں قصہ کہانیوں کے کئی کئی رسالہ ختم کرتا تھا۔ روزانہ ۱۶ سے ۱۸ گھنٹہ تک کام کرتا ہے۔ صرف پانچ گھنٹہ سونیکا عادی ہے۔ چھ بھائی ہیں بہن کوئی نہیں اس وجہ سے اکثر اپنی ماں کو کھانا پکانے میں مدد دیتا تھا۔ کھانا اس قدر عمدہ پکاتا ہے کہ بڑے بڑے باورچی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اکثر بیوی کو ہٹا کر خود باورچی خانہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کھانا تیار کر کے

خود تقسیم کرتا ہے اور پھر اکا بیاں وغیرہ بھی خود ہی دہرتا ہے

دوستوں میں "آئیک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر اس کی ماں کو اس نام سے چڑ ہے۔ ایکبار ہونے ساس کو لکھا کہ میں اور آئیک آرہے ہیں. ساس نے جواب دیا شوق سے آؤ مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ آئیک کون آدمی ہے جس کے ساتھ تم آرہی ہو۔ اس کی ماں ابھی زندہ ہے ایکبار گھر کے سامنے سے کچھ فوجی نوجوان پریڈ کرتے گذر رہے تھے کہ اس کی ماں نے پڑوسن سے کہا "میرا بھی ایک بیٹا فوج میں ہے" "آئیک" اس وقت ابتدائی دور سے گذر رہا تھا۔ اب اس کی ماں اپنے فوجی بیٹے پر جتنا ناز کرے کم ہے۔

قصبہ ابی لین ریاست کینسس امریکہ میں آج سے ۶۰ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ گذشتہ جنگ میں مغربی یورپ کے تیس کروڑ انسانوں کی جان بچائی۔ اس کا ملٹری ہسٹری کا علم غیر معمولی ہے۔ شمالی افریقہ کی ایک جنگ میں اس سے کسی نے پوچھا کہ ہینی بال کے اٹلی پر حملہ کی بابت کچھ بتائیے تو چالیس منٹ تک دقیق نکات بیان کرتا رہا۔ ہینی بال نے الپس پہاڑوں کو ہاتھیوں کی فوج سے پار کر کے اطالیونیر سے پندرہ برس متواتر جنگ کی تھی۔ ایشن ہاور ملٹری ہسٹری میں اس قدر دلچسپی لیتا تھا کہ لوگوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ ایل یونیورسٹی میں ہسٹری پروفیسر بنے گا مگر ایسا تو نہ ہوا البتہ اس نے تاریخ عالم میں ایسے صفحات کا ضرور اضافہ کیا جو دوسرے ہسٹری کے استاد مدتوں تک ایل یونیورسٹی میں پڑھائے گے

شروع میں یہ بحری افسر بننا چاہتا تھا مگر عمر ۲۰ سال ہو جانے کی وجہ سے داخلہ نہ ملا۔ سالوں پہلے اس نے دوسری جنگ عظیم کے خطرہ کا اعلان کر دیا تھا اور اس وجہ سے اکثر "کلیمٹی آئک" کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔ اس نے آئندہ کی جنگوں میں ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا اور اسی وجہ سے ایکبار ایئر فورس بھی جوائین کرنے کا ارادہ کیا مگر بیوی راضی نہ ہوئی۔ ویسٹ پوائنٹ سے جب کامیاب ہوا تو ۱۶۴ طلباء میں اس کی ۶۱ویں پوزیشن تھی مگر اس کے باوجود دنیا کا محبوب ترین جنرل ہے۔ فوج میں اس کی اس قدر کامیابی اور ترقی کا راز یہ ہے نظر اور علم وسیع ہے۔ ٹریننگ اور ارادہ کا پختہ ہے۔ فیصلہ اور کیریکٹر بہت اچھا ہے۔ اور سونے پہ سہاگہ اس کی بے نظیر شخصیت ہے۔ وہ شخص جو دوسروں سے اس صورت کام لینا جانے کہ نہ وہ انعام کے متمنی ہوں اور نہ ان کے دل میں سزا کا خوف ہو اصلی لیڈر وہی ہے اور "آئک" کی زندگی کے اندر سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہی ہے۔ کبھی شراب نہیں پیتا اس وجہ سے اور کہ کبھی نشہ میں کوئی راز فاش نہ کر دے کیونکہ ذمہ داری کے کام بہت اس کے سپرد ہیں۔ معلومات نہایت وسیع ہیں۔ مردم شناس ہے۔ باتیں بڑی دلچسپ کرتا ہے۔ برج کھیلنے کا شوقین ہے۔ نام و نمود اور شان و شوکت سے اسے نفرت ہے۔ میڈل کبھی نہیں پہنتا۔ ملٹری ربن بھی شاذ و نادر ہی لگاتا ہے۔ گذشتہ جنگ میں ایشن ہاور ہیڈ کوارٹر کی جگہ اپنے دفتر

کا نام اتحادی افواج کا دفتر رکھا۔ آج سے ۳۵ برس پہلے جب یہ ریسیڈنٹ پوائنٹ ملٹری اکیڈیمی میں پڑھتا تھا اس قدر زبردست فٹ بال کا کھلاڑی تھا کہ کنساس سائیکلوں کے نام سے مشہور تھا گھٹنا ٹوٹ جانے کی وجہ سے فٹ بال کھیلنا بند کر دی۔ جب اس نے ملٹری ٹریننگ حاصل کرنیکا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے والدین نے سخت مخالفت کی کیونکہ وہ پادری لوگ تھے۔

روزولیٹ، چرچل اور اسٹالن تینوں امریکہ، انگلستان اور روس کے صدر اعظموں نے جنگ عظیم دوئیم میں جنرل ایشن ہاور کا انتخاب مغربی یورپ میں اتحادی اقوام کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے کیا تھا۔ ۵ جولائی ۱۹۴۴ء کو ۲۰ منٹ بری، بحری، ہوائی اور موسم کے ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد خوب سوچ بچار اور ٹھوک پرکھ کر صبح کے چار بجے جنرل ایشن ہاور نے یورپ پر انسانی تاریخ کا سب سے بڑا حملہ کیا۔ جملہ فوجیں شامل تھیں۔ بری فوج اس قدر وسیع تھی کہ نپولین، جولیس سیزر، ہنی بال اور چارلی مینگ نے مل کر بھی اتنی بڑی فوج کی کمانڈ نہ کی ہوگی۔ بحری فوج اس قدر زبردست تھی کہ نیلسن، ڈریک، ڈیوی، ہوکن اور جون پال جونس نے ملکر بھی ایسے بحری دستہ کی رہنمائی نہ کی ہوگی۔ ہوائی فوج اس قدر زبردست تھی کہ دنیا نے اس سے پہلے اتنی بڑی ہوائی فوج نہ دیکھی تھی۔

غرض وہی ایشن ہاور جو کبھی رکابیاں مانجھتا تھا گایوں کا دودھ دوہتا

تھا۔ کٹر کڑیئے جاڑے میں ۴½ بجے صبح اُٹھ کر پورے گھر کے واسطے ناشتہ تیار کرتا تھا تاریخ عالم کی سب سے بڑی متحدہ بحری، بری اور ہوائی فوج کی کمانڈ کر رہا تھا اصل میدان کارزار میں یہ کبھی ایک چھوٹے سے دشمن کے ساتھ بھی نہیں لڑا۔ بم پھٹتے اور توپیں چھوٹتے میدان میں اس کا کام نہیں یہ تو مختلف لڑاکا فوجوں کو ایک جان کر کے ان کو ڈائرکٹ کرنیکا ماہر ہے۔ اس کا فوجی کامیابی کا نسخہ نہایت سہل اور سادہ ہے کہتا ہے "پوری طرح تیاری کرو اور اس کے بعد مثل موت کے بھر جاؤ"

ولیم شکسپیر

اسٹراٹ اپون ایوان جہاں یہ ۱۵۶۴ء میں پیدا ہوا آج انگلستان کا ایک بڑا حسین قصبہ ہے لیکن اس کے زمانہ میں یہ بہت گندی جگہ تھی۔ لوگ غریب اور بیماری کا شکار تھے۔ سڑکوں پر خنزیر گند کھاتے پھرا کرتے تھے۔ جہالت کا دور دورہ تھا۔ خود اس کے خاندان میں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس کا والد جو ایک کسان تھا اور دستانے بھی بناتا تھا اس قصبہ میں اس کی اچھی خاصی عزت تھی۔ گھر کے سامنے اصطبل کا میلہ جمع کر کر کے گھورا بنانے پر ایکبار خود اس کے والد کو جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ دودھ دوہتا۔ بھیڑیں چراتا۔ مٹھا ہوتا اور کھالیں رنگتا تھا۔

اس کی شادی خود ایک المیہ تھی کیونکہ مرضی کے خلاف ہوئی تھی یہ اپنی دہاٹلی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنے کا آرزومند تھا مگر ہوئی اپنی ہاتھاوے سے جو اس سے عمر میں بھی آٹھ برس بڑی تھی۔ شادی کے بعد اس کو خانگی سکھ نصیب ہوا اور اکثر اپنے ڈراموں

کے اندر اس نے بڑی عمر کی عورت سے شادی کی سخت مذمت کی ہے۔ شادی کے بعد زیادہ وقت لندن میں گذارتا اور بمشکل تمام سال میں ایکبار بیوی بچوں سے ملنے کے لئے آتا۔ لندن آنے کے بعد پانچ سال کے اندر اندر ایک ایکٹر کی حیثیت سے اس کی معقول آمدنی ہو گئی ابتدا میں تین سو پونڈ فی سال اور ۴۵ برس کی عمر میں چار ہزار پونڈ فی سال کی آمدنی تھی۔ جلد ہی دو تھیٹروں میں حصہ دار ہو گیا۔ بھاری سود پر لوگوں کو روپیہ ادھار دیتا تھا کیونکہ اُس زمانہ کے مطابق اس کا شمار مالدار لوگوں میں تھا۔ دولت ہی کی وجہ سے اس کی عزت کیجاتی تھی مگر جب مرا ہے ایک پیسہ بھی بیوی بچوں کے واسطے نہ چھوڑا۔

اس کی موت کے ۱۰۰ برس بعد تک انگریزی ادب کے اس قطب ستارے اور دنیا کے سب سے بڑے ڈرامہ نویس کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ مرنے کے بعد احتراماً ایک گرجے کے احاطہ میں دفن کیا گیا اس لئے نہیں کہ ایک بے نظیر ادیب تھا بلکہ اس لئے کہ مالدار تھا اور ہم وطنوں کو روپیہ ادھار دیتا تھا۔ شائی لوگ کا کیرکٹر پیش کرنے والا اگر ایسا نہ کرتا تو شاید آج اس کی قبر کا بھی پتہ نہ چلتا کیونکہ معمولی آدمیوں کے مثل کہیں بھی دفنا دیا جاتا۔ ڈرامہ نویس کی حیثیت سے زندگی میں اس کی کوئی قدر نہ ہوئی۔ اپنے بہترین ڈراموں تک سے کچھ حاصل نہ کر سکا۔ خود اسے احساس تک نہ ہوا کہ کبھی وہ عالمگیر شہرت کا مالک بھی ہوگا۔

مرنے کے سات سال بعد پہلی بار اس کے ڈرامے چھپے۔ اس سے

زیادہ کبھی کسی ادیب، مصنف یا ڈرامہ نویس کو شہرت اور عزت حاصل نہوئی۔ اب ہر سال ہزارہا آدمی اسٹراٹ اون ایوان پہنچ کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ گذشتہ ۳۰۰ سال میں جتنے بھی مشہور ادیب گذرے سب نے اس سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ لاکھوں مضامین اس کے ڈراموں پر لکھے جا چکے ہیں۔ ڈراموں کے کروڑہا نسخہ فروخت ہو چکے ہیں اور ہنوز اشاعتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی ادب میں بائبل کے بعد ان ہی کی شہرت ہے یوں تو اسکے تمام ڈرامہ نہایت خوب ہیں مگر چند مثلاً میکبتھ، ہیملٹ جولیس سیزر، رومیو اینڈ جولیٹ اور مڈ سمر نائٹ ڈریم تو ایسے ہیں کہ ان کی اہمیت لازوال ہے اور جب تک دنیا قائم ہے پسند کئے جائینگے شکسپیر سے بڑھ کر مردم شناس اور انسانی جذبات کا ماہر دنیا نے پیدا نہیں کیا۔ اس کے نام "شکسپیر" کے ہجے ۰۰۔ ہم مختلف طریقوں سے کئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ چوڑی پیشانی والا انسان پیدا نہیں ہوا۔ ایک اسٹینڈرڈ انگلش ڈکشنری میں قریب ۵۰ ہزار الفاظ ہوتے ہیں اوسط درجہ کا علم رکھنے والا قریب ۲ ہزار الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ مشہور انگریز شاعر ملٹن نے ۸ ہزار الفاظ اپنے کلام میں استعمال کئے ہیں مگر شکسپیر نے اپنی معرکتہ الآرا تصانیف میں ۱۵ ہزار انگریزی الفاظوں کا استعمال کیا ہے۔ اس کے شارحوں اور نقادوں میں بڑا اختلاف ہے

اس کے المیہ اور فرحیہ ڈراموں کو اب تک بہت سے شارح اور نقاد سر فرانسس بیکن یا ارل آف اکسفورڈ کی جانب منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا اصل شیکسپیر وہ نہیں بلکہ ان ہی دو میں سے کوئی ایک ہے ۔

جنرل و میڈم چیانگ کائی شیک

اس کے باپ کا نام سونگ تھا۔ عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد اس کا نام چارلی جونس سونگ ہو گیا تھا۔ چارلی جونس سونگ کی تینوں بیٹیوں نے چین کے عام قاعدہ کے خلاف امریکہ میں تعلیم حاصل کی تھی بعد کو ان تینوں بیٹیوں اور باپ نے ملکہ چین کے اندر نہایت کامیابی کے ساتھ عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ ان تینوں لڑکیوں کی شادیاں چین کی تین سب سے ممتاز شخصیتوں کے ساتھ ہوئیں اور سونگ خاندان تاریخ چین میں ہمیشہ کے واسطے مشہور ہو گیا۔

میڈم چیانگ کائی شیک کا اصلی نام ہے لنگ یعنی حسین زندگی ہے۔ یہ نشنلسٹ چین کے افسر اعلیٰ مارشل چیانگ کائی شیک کی بیوی ہے۔ مارشل چیانگ کائی شیک کچھ عرصہ پہلے چین کے چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اب یہ اپنا اقتدار کھو چکا

ہے اور چینی ریپبلک کی باگ ڈور ماؤ مشی ٹنگ کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہے جس کے دل و دماغ میں ۱۹۲۷ء سے کمیونزم رچی ہوئی ہے اور اس کی قیادت میں ملک تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ جنرل چیانگ کائی شیک جزیرہ فارموسا میں ، لاکھ نیشنلسٹ فوجیوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے اور ہنوز امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ چین میں جس فرقہ کا آج اقتدار ہے یہ وہی کمیونسٹ فرقہ ہے جس نے ۱۹۳۶ء میں جنرل چیانگ کائی شیک کو اغوا کیا تھا اور میڈم چیانگ کائی شیک نے ان ایک لاکھ باغی سپاہیوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کر کے اپنے شوہر کی جان بچائی تھی۔

اس کی دوسری بہن ای لنگ کی شادی چین کے سابق وزیر مالیات ڈاکٹر کنگ سے ہوئی جو تاریخ چین کی سب سے بڑی اور معزز ہستی کون فیوسیس کے خاندان سے تعلق رکھتے ہے۔ اس کی تیسری بہن چنگ لنگ کی شادی ڈاکٹر سن یاٹ سن سے ہوئی تھی جو چین کا قائد اعظم یا بابائے ریپبلک چائنا کہا جاتا تھا۔

۱۹ برس کی عمر میں جب امریکہ سے فارغ التحصیل ہو کر شنگھائی واپس آئی تب میڈم شیک نے اپنی مادری زبان چینی کو بولنا، لکھنا اور پڑھنا شروع کیا۔ حالانکہ جنرل چیانگ کائی شیک چالیس کروڑ نفوس کے قلوب پر حکمرانی کر رہا تھا مگر مستقل پانچ سال تک رگڑی اپنی پہلی بیوی کو طلاق دی ، ہر روز انجیل مقدس پڑھنے اور حقیقی معنی

میں عیسائی بننے کا وعدہ کیا تب کہیں ۱۹۲۶ء میں جاکو مے لنگ سے اس کی شادی ہوئی۔ جنرل چیانگ نے ایکبار مے لنگ کو ہاکی کا میچ کھیلتے دیکھ لیا تھا اور اسی وقت سے اسپر نثار تھا۔ مے لنگ نے اس کو خوب اپنا مرید بنایا۔ شادی کے بعد بیوی کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ ہر صبح دونوں سیر کو نکلتے اور میڈم اس کو انجیل کے قصے کہانیاں سناتی یہاں تک کہ دو سال کے اندر جنرل کے رگ و پے میں عیسائیت سرایت کر گئی۔ تاریخ چین میں پہلی بار عیسائی حکومت قائم ہوئی جس کا عوام الناس پر گہرا اثر پڑا۔

صورت شکل کے اعتبار سے ضرور میڈم چیانگ چینی ہے ورنہ اور ہر حیثیت سے امریکی اور عیسائی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ دردمند اور روشن دماغ ہے۔ وطن کی غربت اور جہالت دیکھ کر اسے افسوس ہوتا تھا۔ اُس نے سرزمین چین سے ان چیزوں کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفع کرنیکا بیڑا اُٹھایا۔ گاؤں گاؤں پھرتی، مرد۔ عورتوں اور بچوں سے مل کر ان کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی، افیم کھانے کے نقصان گناتی تندرست اور صاف رہنے اور بیماریوں سے جنگ کرنے کے گُر سکھاتی متحد رہنے کی تبلیغ کرتی اور اعلیٰ معیار زندگی بسر کرنے کا راز سکھاتی۔ بہت جلد ہردل عزیز ہوگئی۔ چین کے گوشہ گوشہ میں اس کی شہرت پھیل گئی اور پوری قوم اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔

چین میں کمیونسٹ پارٹی اس کے شوہر کے سخت خلاف تھی

اور برسر اقتدار ہونا چاہتی تھی۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء کو باغیوں نے نانکنگ میں فساد شروع کر دیا۔ جنرل چیانگ کائی شیک جان بچانے کی خاطر بھاگا ایک پہاڑ پر چڑھ رہا تھا کہ پیر پھسلا اور پینتیس فٹ گہری کھائی میں جا گرا پیٹھ میں سخت چوٹ لگی اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ سر کے اوپر سے گولیاں گزر رہی تھیں، اور قریب ہی بم پھٹ رہے تھے۔ ہمت کر کے پھر بھاگا مگر راستہ ہی میں باغیوں نے گرفتار کر لیا۔ جنرل چیانگ کے اغوا کی خبر پورے چین میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ ماتم ہونے لگا بچے بلک بلک کر روتے۔ سپاہی خودکشی کرتے۔ طلباء اسٹرائک کی دھمکی دیتے۔ نیشنلسٹ فوج نے کمیونسٹ باغیوں سے جنگ کی ٹھان لی۔ سول وار چھڑا ہی چاہتی تھی کہ میڈم چیانگ کائی شیک نے فراست اور ہمت سے کام لے کر ملک کو تباہی کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔

جنرل چیانگ نے بذات خود میڈم چیانگ کو خطرہ مول لینے سے باز رہنے کے لئے قید خانہ سے کہلا بھجوایا۔ ادھر باغیوں نے اعلان کر دیا کہ اگر میڈم چیانگ کائی شیک نے جنرل چیانگ کائی شیک تک پہنچنے کی جرأت کی تو راستہ ہی میں اس کی گردن مار دی جائے گی اس سب کے باوجود جب اس عورت نے دیکھا کہ ملک میں ابتری پھیلنا چاہتی ہے اور نیشنلسٹ فوج کے تیور بگڑ رہے ہیں اور وہ باغیوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا چاہتی ہے پہلے تو فوج کو ہر ممکن تسلی

دی اور پھر قوم کو سمجھایا اور اس کے بعد نہایت بیباکی اور دلیری کے ساتھ اپنے شوہر سے ملاقات کے واسطے نکل کھڑی ہوئی۔ اپنے ساتھی کو ایک پستول دے کر کہدیا کہ اگر میں باغیوں کے چنگل میں پھنس جاؤں تو گولی مار کر مجھ کو فوراً ہلاک کر دینا۔

جنرل چیانگ۔ باغیوں کا دلیری سے مقابلہ کر رہا تھا۔ انکو سخت سست کہتا تھا۔ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھاتا تھا۔ بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔ کہتا تھا مار ڈالو مگر تم پر حکومت کے راز فاش کر کے ملک کے ساتھ غداری نہ کرونگا۔ میڈم چیانگ اس فضا سے گذرتی قیدخانہ میں شوہر کے پاس پہنچی۔ بہ منت سماجت کھانا کھلا کر بھوک ہڑتال تڑوائی اور اس کے بعد انجیل کے پیغام سنانے شروع کیئے یہاں تک کہ وہ سو گیا۔ دو دن متواتر شوہر کی خاطر نہیں بلکہ وطن کی بھلائی کی خاطر باغیوں سے بحث کی اور آخر کار دو ہفتہ بعد ۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو جنرل چیانگ کائی شیک رہا کر دیا گیا۔ پورے چین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ملک کے گوشہ گوشہ میں جنرل اور میڈم چیانگ کائی شیک زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ ان دونوں کی قیادت میں ملک ایک لڑی میں پرویا ہوا تھا اور چین کو صدیوں سے کسی نے اتنا متحد نہ دیکھا تھا۔

البرٹ آئنسٹین

جرمنی کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں پیدا ہوا۔ نہایت ناکارہ اور بھوندو طالب علم تھا۔ استاد تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ پچاس برس بعد یہی کند ذہن اور غبی لڑکا عالمگیر شہرت کا مالک ہو گا۔ ایک مرتبہ برلن میں موٹر پر سفر کر رہا تھا۔ بس کنڈکٹر سے کہا تم نے مجھے پورے پیسے واپس نہیں کئے۔ کنڈکٹر نے گنا تو پیسوں کو پورا پایا اور کہا "میاں مشکل یہ ہے کہ تم گننا نہیں جانتے"۔ یہ وہی لڑکا ہے جس نے سائنس اور حساب کی دنیا کو چند سال بعد الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔

تھیوری آف ریلیٹیوٹی لکھ کر آئنسٹین نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایک سائنسداں اور حساب داں کو اس سے پہلے کبھی اتنی عزت اور شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اس کی غیر معمولی شہرت خود اس کے واسطے ہنوز ایک معمہ ہے اس کا کہنا ہے کہ حالانکہ تھیوری آف ریلیٹیوٹی کی وضاحت کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں

لیکن حقیقتاً دنیا میں صرف بارہ آدمی ایسے ہیں جو اس کو باقاعدہ طور پر سمجھتے ہیں۔ ریلیٹیوٹی کو وہ اس سادہ مثال سے سمجھاتا ہے۔ جب کوئی کسی حسین لڑکی کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھا تو گویا ایک منٹ بیٹھا اور جب ایک منٹ گرم توے پر بیٹھا تو گویا ایک گھنٹہ بیٹھا۔

آئنسٹین خود بھی اتنا ہی حیرت انگیز انسان ہے جتنی کہ اس کی تھیوری آف ریلیٹیوٹی۔ اس کو شہرت، اعزاز، دولت اور سامان تعیش سے سخت نفرت ہے۔ جب اعلیٰ حساب کے پروفیسر کی حیثیت سے نیویارک پہنچا تو اس کے دوست نہایت خاموشی کے ساتھ جہاز سے اترتے ہی اس کو موٹر میں بٹھا کر لے گئے کیونکہ یہ رپورٹرز اور ملاقاتیوں سے بچنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اس کا خیر مقدم کرنے کے واسطے ڈیوک یارڈ پر جمع ہوئے تھے سب کو نامراد واپس ہونا پڑا۔ جب یہ پچاس برس کا ہوا تو جرمنی نے خوشیاں منائیں۔ اس کو اعزاز بخشے، ایک محل اور نہایت خوبصورت ایک کشتی تحفتہً پیش کی، شہر پوسٹڈم میں اس کا مجسمہ نصب کیا، مگر اس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہ ہوا۔

آئنسٹین کی دو بار شادی ہوئی۔ پہلی شادی سے اس کے دو نہایت ہونہار فرزند ہیں مسز آئنسٹین کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے مزاج اور مذاق سے بخوبی آشنا تھی گو اس کی تھیوری آف ریلیٹیوٹی قطعی نہ سمجھتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ میرے شوہر کے خیالات میں ضرور ہم آہنگی ہے جب ہی تو اس نے ایک نہایت ہم آہنگ تھیوری لکھ ڈالی لیکن زندگی نہایت

بے اصول ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے اور جب بھی چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ اس کے صرف دو اصول ہیں۔ اول تو یہ کہ اس کا کوئی اصول نہیں اور دوئم یہ کہ اپنی ذاتی رائے کے سامنے دوسرے کی رائے کی رتی برابر پرواہ نہیں کرتا

البرٹ آئنسٹین نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بہت شاذ و نادر ہی ہیٹ پہنتا ہے۔ کپڑے استری کئے بغیر ہی پہن لیتا ہے۔ غسلخانہ میں سیٹی بجاتا اور گاتا ہے۔ نہاتے کے ٹب میں بیٹھ کر شیو کرتا ہے۔ شیو میں بھی وہی صابن استعمال کرتا ہے جس سے نہاتا ہے اور کہتا ہے کہ دو قسم کا صابن استعمال کرنا زندگی کو پیچیدہ بنانا ہے۔ کشتی میں سیر کرنے اور سارنگی بجانے کا شوقین ہے۔ ہر وقت بہت خوش و خرم نظر آتا ہے اور اپنی خوشی کا راز یہ بتاتا ہے کہ وہ کسی سے کسی بھی چیز کا طالب نہیں۔ دور حاضرہ کا یہ سب سے بڑا مفکر اعتراف کرتا ہے کہ وہ ۹۹ فیصدی غلطیاں کرتا ہے۔ غور کرنیکا مقام ہے بھلا پھر ہم اور آپ کتنی غلطیاں نہ کرتے ہوں گے۔

اسٹالن

اس کا اصلی نام آیوسف وساریونووچ ڈزیوگا شولی ہے مگر جوزف اسٹالن کے نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ روسی زبان میں اسٹالن کے معنی فولاد کے ہیں اور یہ آہنی عزم اور جرأت کا مالک بھی ہے ۲۱ دسمبر ۱۸۷۹ء روس میں ریاست جورجیا کے اندر پیدا ہوا جہاں کی زبان روسی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ اس وقت روس میں غلام اس قسم کے ہوتے تھے کہ جس زمین پر رہتے تھے اس کے ساتھ وہ بھی فروخت کر دئیے جاتے تھے۔ مارشل اسٹالن کے والدین بھی اسی غلامی کا شکار تھے اور بارہا فروخت کئے جا چکے تھے۔ روسی غلاموں کا یہ بیٹا آج دنیا کا سب سے طاقتور انسان ہے۔ دنیا کے کروڑہا انسان اس کی پرستش کرتے ہیں اور اتنے ہی اس سے دلی نفرت کرتے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں اسٹالن نے لینن کے مزار پر قسم کھائی کہ وہ اسی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیگا اور اسی روز سے روس کی شاندار حکومت کی باگ ڈور

سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ لینن کا سیدھا ہاتھ تھا۔ لینن اس پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔ لینن کے نقش قدم پر چل کر روس کو ترقی دے رہا ہے۔ روسی اس پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں کہ اندھے ہو کر اس کی تقلید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

نہایت خاموش طبع اور کم سخن انسان ہے۔ دوسرا دو گھنٹے بات کریگا تو یہ صرف پانچ منٹ۔ تصنع اور بناوٹ پاس سے بھی نہیں گذری کپڑے پہننے کا شوقین ہے۔ کھانا بہت معمولی کھاتا ہے۔ اور بہت سادہ طریقہ سے رہتا ہے۔ اجنبیوں سے اس کا جی اکتاتا ہے۔ بڑے بڑے ممالک کے نمائندے جو ماسکو میں رہتے ہیں اکثر کئی کئی سال رہنے کے باوجود ایک بار بھی اسٹالن کے درشن نہیں کر پاتے۔ کہتا ہے جوانمرد وہ ہے جو اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کرے اور جلد اس کو رفع کرنے کی سعی کرے اس کا کہنا ہے کہ جو ترقی ہم نے حاصل کی ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو ہم حاصل کرنے والے ہیں۔ کچھ بیرحم اور لاپرواہ بھی واقع ہوا ہے اور ہر کام کو اپنی مرضی کے مطابق کرنیکا قائل ہے۔ بابائے روسی انقلاب یعنی لینن نے ایکبار اس کے لئے کہا تھا کہ یہ روسی باورچی بہت گرم سالن تیار کریگا اور واقعہ بھی یہ ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم میں اگر اسٹالن نازیوں اور ہٹلر کے لئے اس قدر گرم سالن تیار نہ کرتا تو خدا جانے روس اور جمہوری دنیا کا کیا حشر ہوتا۔ اسٹالن کی سرخ افواج نے ہٹلر کی فوجوں کے دانت کھٹے کر دئے تھے۔

اسٹالن کا باپ اس کو موچی بنانا چاہتا تھا اور اس کی ماں اس کو پادری بنانا چاہتی تھی۔ اسٹالن نے بہت دن پادریوں کے اسکول میں تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ ابھی پندرہ برس کی عمر تھی کہ کارل مارکس کی انقلاب انگیز کتاب "کیپٹل" پڑھی ادھر خود اپنے گھر اور روسی عوام الناس بالخصوص کسانوں کی خستہ حالی دیکھ رہا تھا۔ غربت بیان سے باہر تھی۔ عالم یہ تھا کہ روسی کسان کھانے کے لئے نمک تک خریدنے کے قابل نہ تھے۔ دولت کے مالک معدودے چند لوگ تھے۔ زار شہنشاہ عوام کا خون چوس چوس کر موٹے ہو رہے تھے۔ غریبوں کا کوئی پرساں حالی نہ تھا اور گذشتہ ۵۰۰ برس سے یہی عالم تھا۔ اسٹالن بخوبی جانتا تھا کہ انقلاب برپا کئے بغیر حکومت کا تختہ نہیں پلٹا جا سکتا۔ کھلم کھلا حکومت کا دشمن ہو گیا باغیانہ حرکات اور تقاریر دوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک اخبار بھی نکالا کارل مارکس کے معتقدین کی پارٹی بالشویک کو جوائن کیا۔

۶ بار جلاوطن کیا گیا۔ ۸ برس جیل خانہ میں رہا مگر ہمت نہ ہاری حکومت جتنا پیچھا کرتی، جتنی سختی کرتی، اسٹالن کا ارادہ حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے اتنا ہی پختہ ہوتا جاتا تھا۔ برسوں اس کے پاس اپنا مکان نہ تھا۔ جان بچانے کے واسطے ہر رات مختلف جگہوں پر سوتا تھا۔ زنجیریں ہتھکڑیاں کوڑے، گوناں گوں اذیتیں، موت کی دھمکیاں جلاوطنی، جیل خانے غرض کوئی چیز اس کو اس کے آہنی ارادے سے متزلزل نہ کر سکی۔ روسی انقلاب جو اکتوبر ۱۹۱۷ء کو برپا ہوا اس کو کامیاب بنانے کے لئے بالشویک

پارٹی کو متحدہ رکھنے کے لئے جتنی کوشش اسٹالن نے کی دوسرے نے نہ کی ۱۹۰۵ء میں جب روس کے اندر انقلاب برپا کرنے میں ناکامی رہی تو لینن اور ٹراٹسکی جان بچانے کے لئے سوئٹزرلینڈ بھاگ گئے مگر اسٹالن روس ہی میں رہا اور باوجود ہر لمحہ جان خطرہ میں ہونے کے زار کی حکومت کی مخالفت کرتا رہا۔

پہلے پانچ بار جلاوطن کر کے سائبیریا بھیجا گیا مگر ہر بار کسی نہ کسی صورت بھاگ کر روس واپس آ گیا اور حکومت کی مخالفت کا سلسلہ جاری کر دیا مگر اب چھٹی بار سائبیریا میں ایک ایسے مقام پر مقید کیا گیا جہاں سے بھاگ کر جانے کے معنی یہ تھے کہ راستہ ہی میں بھوک اور سردی کا شکار ہو جائے۔ یہ جگہ بحر منجمد شمالی سے صرف ۸۰ میل دور تھی اور کھٹمل بھی یہاں نعمت سمجھا جاتا تھا۔ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے اسٹالن سخت محنت کرتا۔ چار سال بے پناہ مصائب یہاں برداشت کئے اور آخر میں روسی انقلاب میں ۱۹۱۷ء میں اسے رہائی ملی۔ اس کا پرانا خواب کہ روسا کا اقتدار ختم کر کے عام لوگوں میں روس کی زمین اور دولت تقسیم کرے پورا ہوا۔

مارشل اسٹالن کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی جو شادی کے چار سال بعد تپ دق میں گرفتار ہو کر مر گئی اس سے ایک لڑکا ہے دوسری شادی جو چالیس برس کی عمر میں کی اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ شادی کے وقت دوسری بیوی کی عمر ۱۷ برس کی تھی۔ یہ

بھی بہا بہ س گذرے مرگئی۔ اسٹالن کے دونوں بیٹے بڑے ہونہار ہیں اور روسی فوج کے اندر بڑے بڑے عہدے سنبھالے ہوتے ہیں۔ اسٹالن ماسکو میں زار شہنشاہوں کے محلوں کے قریب ایک نہایت سادہ چار کمرہ والے مکان میں رہتا ہے۔ اس مکان میں پہلے زار شہنشاہوں کے نوکر رہا کرتے تھے۔ مارشل اسٹالن سویٹ روس یعنی دنیا کے چھٹے حصہ پر حکمراں ہے جہاں ۲۲ کروڑ انسان رہتے ہیں اگر چاہے نہایت ٹھاٹ باٹ اور تزک و احتشام سے ان شاہی محلات کے اندر زندگی بسر کر سکتا ہے مگر نہیں یہ چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہے وہ اپنے اندر اور کسی دوسرے روسی باشندے کے اندر کسی قسم کے امتیاز کا قائل نہیں۔ اس کی ۷۱ ویں سالگرہ پر روس کے مشہور اخبار "پروداً" نے اسٹالن کے لئے اخبار کے اندر "ہمارا آفتاب" اور "ہماری زندگی" کی سرخیاں دیں۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو صدر امریکہ مسٹر ٹرومین نے مارشل اسٹالن کو مثل ہٹلر کے بتایا۔ کہا کہ ہٹلر، مسولینی، انگلستان کے چارلس اول، فرانس کے لوئس شش بازدہ اور روس کے موجودہ لیڈر اور جملہ ڈکٹیٹروں میں کوئی فرق نہیں۔ ان سب نے عوام الناس کو غلام بنا کر رکھا۔

مصری اخبار "المصور" کے اندر مصری سفیر مقیم ماسکو مسٹر انیس اظہر بے نے حال ہی میں سوئیٹ روس کا ذکر کرتے ہوئے کہا "روس کو بغیر ایک سپاہی کی قربانی دیئے ہوئے ہر جگہ اور ہر روز کامیابی ہو

رہی ہے۔ روسی امن پسند ہیں۔ امن چاہتے ہیں۔ جنگ کو ناپسند کرتے ہیں مگر کسی بھی حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح چاق چوبند ہیں۔ اپنی فوجی تیاری کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔ روس میں پوری مذہبی آزادی ہے۔ وہاں مساجد اور گرجا گھر ہیں۔ ملّا اور پادری بخوبی مذہبی فرائض انجام دیتے ہیں مگر شرط یہی ہے کہ حکومت کی قدر کریں اور اس کے مبتصر نہ بنیں۔ اخباروں کے ذریعہ تعمیری تبصرہ حکومت پسند کرتی ہے۔ ماسکو میں غیر ملکی اخباری نمائندہ اور پریس ایجنسیاں ہیں مگر یہ پریس ڈپارٹمنٹ کی اجازت کے بغیر کوئی خبر باہر نہیں بھیج سکتے۔ پبلک اور پرائیوٹ مجالس ہوتی ہیں مگر حکومت دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں مارشل اسٹالن کا بڑا احترام ہے اور وہ اس کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں۔ ڈپلومیٹک کور کے ممبران کے ساتھ خاص سلوک ہے۔ شہر میں عام جگہوں پر وہ آجا سکتے ہیں لیکن کچھ خاص جگہوں پر بغیر فورن منسٹری کی اجازت لئے نہیں جا سکتے۔ غیر ملکی روس کی سیر کر سکتے ہیں اگر روس میں اس ملک کی منسٹری اس کی شہادت دے۔ ذمہ داری لے اور دوران سیاحت میں وہ اس کے ساتھ قیام کرے۔ غیر ملکیوں سے روسی چاہے وہ کوئی ہو سیاسی گفتگو کرنے سے خود گریز کرتے ہیں۔ خیر سگالی کا پیام لانے والوں کا چاہے وہ دنیا کے کسی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں روسی حکومت خیر مقدم کرتی ہے۔ گذشتہ ۳۰ برس سے اس

ماحول میں رہتے رہتے روسی اس زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور ان قیود کی ذرا پرواہ نہیں کرتے جس کی ایک بڑی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ وہاں ہر شخص کو فرداً فرداً تمام ضروریات زندگی پوری پوری طرح مہیّا کر دی جاتی ہیں۔ غیر ملکی نمائندہ بیمار ہو جانے پر پالی کلینک ڈیپارٹمنٹ کو اطلاع کرتا ہے۔ فوراً ڈاکٹر آتا ہے اور وہی فیصلہ کرتا ہے کہ مریض گھر پر رہے یا اسپتال میں داخل کیا جائے۔ پوری طبّی امداد بہم پہنچائی جاتی ہے۔ روس میں ادویہ اور ڈاکٹری علاج بالکل فری ہے۔ تعلیم بھی ہر دور میں بالکل فری دی جاتی ہے۔ روسی جو کچھ چاہیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ موت کے بعد مرنے والے کی زمین اور اس کا مکان حکومت کی ملکیت ہو جاتا ہے البتہ روپیہ پیسہ، موٹر اور دوسری منقولہ جائداد اس کے پس ماندگان کا حصّہ ہوتی ہے ✣

ولیم رینڈولف ہرسٹ

اس کا باپ ریاست مسوری امریکہ میں ایک کسان تھا ۱۸۴۹ء
میں سونے کی تلاش شروع کی۔ اتفاق سے سونے کی کان پانے میں کامیاب
ہوگیا اور پھر کیا تھا کروڑ ہا روپیہ پیدا کیا۔ بڑھاپے میں اپنی وسیع جائداد
کے اندر ایک گھنے درخت کے سایہ میں بیٹھنے کا عادی تھا۔ کچھ عرصہ
ہوا اس کے بیٹے ولیم رینڈولف ہرسٹ نے محسوس کیا کہ جب وہ کھڑکی
میں بیٹھ کر سمندر کا نظارہ دیکھتا ہے تو یہ درخت حارج ہوتا ہے۔ مگر یہ
درخت چونکہ اس کے باپ کو محبوب تھا اس وجہ سے کٹوا نہ سکتا تھا
اس لئے ۸ ہزار پونڈ خرچ کر کے اس درخت کو ۳۰ فٹ دور لگوا دیا۔

ولیم رینڈولف ہرسٹ جانوروں کا بیحد شوقین ہے۔ ایکبار ہالی وڈ
سے بہت سے سینما ڈائرکٹر اس کے پاس کسی مشورہ کے لئے آئے۔ اس
نے کافی دیوان کو انتظار دیکھایا اور گھر کے اندر ایک چھپکلی کہ جس کی دم کٹ

گئی تھی اس سے اظہارِ ہمدردی اور محبت کرتا رہا۔ ایکبار آدھی رات کو اپنا جہاز بھیج کر ایک ڈاکٹر بلوایا اور ۱۰۰ پونڈ فیس دی صرف اس لئے کہ اس کے ایک پیارے گنی پگ کا پیر ٹوٹ گیا تھا۔ حالانکہ اس کی عمر قریب ۸۵ برس ہے مگر ٹینس اب بھی بہت اچھی کھیلتا ہے۔ گذشتہ ۴۵ برس سے ٹینس کھیلتا ہے مگر کھیل کو بہتر بنانے کے لئے اب تک سبق لیتا ہے۔ اس کا رائفل کا نشانہ بہت عمدہ ہے۔ اپنے جہاز میں بیٹھ کر بڑی بڑی مچھلیوں کا رائفل سے نہایت کامیابی کے ساتھ شکار کرتا ہے

قصہ کہانیاں سنانے، نقلیں کرنے اور ڈانس کرنے میں استاد ہے۔ اس کی معلومات اس قدر وسیع ہیں کہ ایک انسانی انسائیکلوپیڈیا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس سے امریکہ کے تمام صدر اعظموں کے نام دریافت کئے جائیں یا ہنری ہشتم کی بیویوں کے نام پوچھے جائیں تو امید یہی ہے کہ ذرا سا بھی توقف کئے بغیر فرفر گنا دیگا۔ ایک روز جمی واکر اور چارلی چیپلن اس کا عجائب خانہ دیکھنے گئے۔ دونوں کے درمیان بائبل کے ایک مقولہ پہ بحث چھڑ گئی۔ دونوں غلط بیانی سے کام لے رہے تھے۔ اتنے ہی میں رینڈولف ہرسٹ آ گیا اور انجیل کے اس مقولہ کو ان کے سامنے لفظ بہ لفظ دہرا کر فیصلہ کر دیا اپنے کو نوجوان لوگوں سے گھرا رکھنا بہت پسند کرتا ہے۔ کبھی کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ اس کے سامنے موت کا ذکر کرے۔

۶۰ لاکھ پونڈ ورثہ میں اس کو والد سے ملا تھا۔ اگرچہ اس نہایت

عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکتا تھا مگر نہیں گذشتہ ۶۰ برس سے برابر ہر روز ۸ سے ۱۵ گھنٹہ تک روزانہ سخت محنت کرتا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ جب تک خدا ہی اس کو پنشن نہ دے ریٹائر نہ ہوگا۔ بچہ شرمیلا واقعہ ہوا ہے گذشتہ ۵۰ برس ہیں حالانکہ دنیا کے بڑے بڑے آدمی اس سے متعارف ہو چکے ہیں لیکن اب تک اجنبیوں سے ملنے میں گھبراتا ہے۔ حالانکہ کلی فورنیا میں اس کی وسیع جائداد پر ہر وقت ۱۰ سے ۴۰ مہمان موجود رہتے ہیں لیکن دلچسپ مشغلہ یہی ہے کہ تنہائی میں تفریح کرے۔ جب نیویارک میں ہوتا ہے سب سے زیادہ دلچسپی کھڑکی میں تنہا بیٹھ کر جھانکنے میں لیتا ہے۔

سب سے شاندار مغربی دنیا کی جاگیر ولیم اینڈ ولف ہرسٹ کی اینچ ریاست کیلی فورنیا امریکہ میں ہے۔ قریب ½ ۲ لاکھ ایکڑ زمین ہے اور سمندر کے کنارے ۵۰ میل تک چلی گئی ہے۔ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑ کے نہایت پر فضا علاقوں میں اس نے نہایت عظیم الشان مورش محل بنوائے ہیں جن کو یہ خود "دی اینچا نٹڈ ہل" کہتا ہے۔ ان محلات میں نہایت عجیب و غریب اور بیش بہا چیزیں نہایت سلیقہ اور قرینہ سے سجی ہوئی ہیں۔ اس کے مہماں انہی محلوں میں رہتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے میں اس کے مہمانوں کو کاغذ کی بنی ہوئی تولیاں دی جاتی ہیں۔

اس کا اپنا ایک نہایت زبردست چڑیا گھر بھی ہے جہاں زیبرا

مارنا بھینسے، کنگرو اور زرافہ غول کے غول پہاڑیوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ لاکھوں قسم کی چڑیاں درختوں پر چہچہاتی اڑتی پھرتی ہیں۔ شیر اور چیتے چنگھاڑتے نظر آتے ہیں۔ ہرسٹ نے فرانس، مصر اور دور دور کے ممالک سے بڑی بڑی نادر چیزیں کثیر رقمیں دیکر حاصل کی ہیں پورے پورے محل معہ تمام عجائبات کے خرید کر امریکہ منگوائے ہیں۔ ایک ایک چیز حتیٰ کہ محل کی ایک ایک اینٹ حفاظت سے پیٹیوں میں بند کرا لیبل لگا گھر روانہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنی اینٹوں سے ویسا ہی محل تیار کرا کے ان عجائبات کو اس کے اندر سجا دیتا ہے اس کے عجائب خانوں کے اندر ہزارہا ملازمین ہیں اور لاکھوں روپیہ سالانہ ان کا خرچہ ہے۔ اس کے عجائب خانہ کے اندر گلوکلاک سے مصری ممی تک ہر چیز ملے گی۔

ہرسٹ قدردان انسان ہے اور جوہر قابل کا متلاشی رہتا ہے۔ رابرٹ ریلے اور ڈوروتھی ڈکس جن کی کہانیاں اس کتاب کے اندر موجود ہیں اس کے اخبار "ایوننگ جرنل" ہی کام کر کے ممتاز حیثیتوں کو پہنچے ہیں۔ اس کے اصلی نام ولیم اینڈولف ہرسٹ سے اسے کوئی یاد نہیں کرتا۔ گہرے سے گہرے دوست بھی اسے "ڈبلو آر" کہتے ہیں اور اس کے ۲۰ ہزار ملازمین اسے "دی چیف" کہتے ہیں۔ لاکھوں آدمی اس کے ۲۴ اخبار اور ۹ میگزین پڑھتے ہیں۔ دنیا کا سب سے طاقتور اور دولتمند پبلشر ہے۔ یوں تو امریکہ کا بچہ بچہ

اس کے نام سے واقف ہے مگر جہاں تک اس کی پرائیویٹ لائف کا تعلق ہے سب کے لئے ایک معمہ ہے۔ ابنیڈ ولف کی زندگی کے حالات سے کہیں زیادہ امریکن قائد اعظم محمدؐ علی جناح کی پرائیویٹ زندگی کے حالات سے واقف ہوں گے۔ اس کی ماھانہ آمدنی ۲ لاکھ پونڈ ہے یعنی ۶۶ ہزار پونڈ یومیہ یا ۲½ ہزار پونڈ فی گھنٹہ۔ اگر آپ نے اس کی کہانی کو ۳ منٹ میں ختم کیا تو اس عرصہ میں اس کی جیب کے اندر ۱۲۵ پونڈ پہنچ گئے۔

کلارنس ڈارو

اپنے زمانہ کا ایک نامی وکیل اور دیوانی کچہری کے مقدمات کا ماہر تھا۔ قصبہ اشٹنابولا ریاست اوہیو امریکہ میں آج سے قریب ۹۲ برس پہلے پیدا ہوا۔ ابھی پانچ برس ہی کا تھا کہ ڈیسک پر نچلا نہ بیٹھے۔ کی وجہ سے اسکول ماسٹر نے اس کے کان خوب کھینچے اور دوسرے طلبا کے سامنے ذلیل کیا۔ حسّاس طبیعت تھی ہی روتا ہوا گھر آیا۔ دل میں خیال کیا کہ استاد نے صریح ظلم اور ناانصافی سے کام لیا ہے۔ اسی روز سے ظلم اور ناانصافی کا جانی دشمن ہو گیا۔ ان دونوں چیزوں سے سخت نفرت کرنے لگا اور پوری زندگی ان کے خلاف جنگ کرنے میں گذار دی۔ یہ ایک چیمپین تھا، جنگجو تھا، مجتہد تھا۔ تشدّد اور ناانصافی کو دنیا سے مٹانا چاہتا تھا۔ اس کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے صدہا بار امریکہ کے اخباروں نے اس کے نام کی سرخیاں دی ہیں۔ شہرت اور دولت کی طرف سے ہمیشہ لاپرواہ رہا۔ اپنے

کو ہمیشہ "حقیر فقیر" یا "ذلیل" کے الفاظ سے یاد کیا۔ اس کے قصبہ میں ایک نعل ساز تھا جو فرصت کے وقت قانون کی کتابیں پڑھا کرتا تھا ایک دن ایک قلعی گر کی دوکان پر بیٹھا ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا کہ ڈارو بھی ادھر آنکلا اور اس کی بحث اور دانائی سے بہت متاثر ہوا۔ اسکول ماسٹر سے وکیل بننے کا شوق دل میں سما گیا۔ اب تو یہ عالم کہ لڑکے کلاس میں بیٹھے جغرافیہ اور حساب کرتے اور ماسٹر صاحب سامنے کرسی پر بیٹھے قانون کی کتابوں کو ہضم کرتے۔ اس نعل ساز سے قانونی کتابیں لے لے جلد ہی سب کو چاٹ ڈالا اور وکالت شروع کر دی۔ ڈارو کے نام سے بھی ہم نا آشنا ہوتے اگر اس کے سامنے حسب ذیل واقعہ پیش نہ آتا تھی تو کھلی توہین مگر حساس اور باغیرت ڈارو کے لئے ناموری اور کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ہوا یہ کہ اشتنابولا میں ایک دندان ساز سے اس نے ایک مکان خریدنا چاہا جس کی قیمت ۷۰۰ پونڈ تھی ایک سو پونڈ جو پاس تھے اسی وقت دیدیئے اور بقیہ ۶۰۰ کی ادائیگی کے لئے سالانہ قسطوں کا فیصلہ کر لیا عین وقت جب تمام معاملہ طے ہو گیا دندان ساز کی بیوی نے دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور نہایت حقارت آمیز الفاظ میں کہا مجھے امید نہیں کہ تم اپنی تمام زندگی میں بھی ۶۰۰ پونڈ کما سکو گے۔ ڈارو کو یہ الفاظ سن کر سخت طیش آیا۔ اسی وقت فیصلہ کیا کہ ایسے منحوس قصبہ میں نہ رہے گا اور امریکہ کے مشہور شہر شکاگو چلا آیا۔ پہلے سال

یہاں اس کو صرف ۶۰ پونڈ آمدنی ہوتی جو کمرہ کا کرایہ ادا کرنے تک کے لیئے ناکافی تھی۔ دوسرے سال ۶۰۰ پونڈ کمائے اور شہر کا اسپیشل اٹارنی بنادیا گیا۔ قسمت نے اب پلٹا کھایا اور ہر چیز تیزی سے موافق ہوتی چلی گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ میں شکاگو اور نارتھ ویسٹرن ریلوے کمپنی کا جنرل اٹارنی بنادیا گیا اور کافی رقم پیدا کرنے لگا۔ اسی زمانہ میں ریلوے حکام کی طرف غصہ اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ریل کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ اس نے ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور جب ریلوے یونین کے افسر اعلیٰ پہ مقدمہ چلا تو بجائے اس کی پیروی کرنے کے نوکری چھوڑ ہڑتالیوں کی پیروی شروع کر دی۔ اس کی زندگی کا یہ پہلا مقدمہ تھا جس نے دھاک بٹھا دی اور جوش و خروش سے عدالت میں سنسنی پھیل گئی۔ آئندہ صدہا مقدمات کی پیروی کی جن کی کاروائیاں بیحد دلچسپ ہیں۔ اشتابولا کے بڑے بوڑھے آج بھی بڑی دلچسپی سے اس کے اس مقدمہ کا ذکر کرتے ہیں جس میں یہ محض ایک پونڈ کی قیمت کے گھوڑے کے ساز کے لیئے سات سال متواتر سات مختلف عدالتوں میں لڑا تھا اور کامیاب ہو کر ہی باز آیا۔ حالانکہ مقدمہ کی اجرت اس کو صرف ایک پونڈ ملی مگر انصاف اور حق منوانے کی خاطر مقدمہ کے تمام اخراجات خود برداشت کیے۔

لیوپولڈ اور لوئیب دو لڑکوں نے نہایت بیدردی کے ساتھ

ایک شخص بوبی فرینکس کو قتل کیا۔ پبلک کے اندر ان لڑکوں کے واسطے تنفر کی لہر دوڑ گئی۔ لڑکوں نے قتل کا اقبال کر لیا مگر پھر بھی ڈارو نے ان کے مقدمہ کی پیروی کی۔ پبلک نے ڈارو کے اس فعل پر کہ وہ قاتلوں کا ساتھ دے رہا ہے اس کی بڑی مذمت کی اور یہاں تک کہا کہ وہ قاتلوں سے بھی بدتر ہے مگر اس نے کسی کی پرواہ نہ کی اور کہا کہ میں سزائے موت کے سخت خلاف ہوں۔ سوسائٹی خود مجرم تیار کرتی ہے اور کوئی بھی آدمی کسی بھی جرم کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ میں پھانسی کے واقعات نہیں پڑھ سکتا جس روز کسی کو پھانسی دی جاتی ہے پھانسی لگنے سے پہلے میں شہر چھوڑ کر کہیں باہر چلا جاتا ہوں۔ آج تک میرے مقدمہ میں کسی شخص کو سزائے موت نہیں دی گئی اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو میں اس کو برداشت نہ کر سکوں گا۔

اس کو مقدمات کا عملی تجربہ تھا کیونکہ ایکبار خود اس پر رشوت کا مقدمہ چل چکا تھا۔ اس وقت جن الفاظ اور جس انداز سے اس نے عدالت کے سامنے اپنی صفائی پیش کی ہے قانون دنیا میں آج بھی یادگار ہے۔ اپنی زندگی کی کہانی اس نے خود قلمبند کی ہے۔ نہایت دلچسپ ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک جگہ فلسفۂ حیات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ زندگی میں کس حد تک کامیاب اور ناکامیاب رہا۔ زندگی کے راستے میں میں نے بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں مگر ہر واقعہ سے زیادہ

سے زیادہ لطف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آخر وہ تمام دن کہاں گئے؟ کل ہی کی بات ہے کہ میں نے اس راستہ پر سفر شروع کیا تھا۔ پوری دنیا میرے سامنے تھی اور بہت وقت میرے پاس تھا۔ اب جب میں تھک چکا ہوں اور وقت بھی پورا ہو رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس راستہ کا کوئی سرا ہی نہیں اور یہ کہ میرا اندازہ بہت غلط تھا۔

اپٹن سنکلیر

سولہ برس کی عمر سے کتابیں لکھ کر پیٹ پالنا شروع کیا
اس وقت اس کی عمر ۴۷ برس کی ہے۔ ۵۰ سے زیادہ کتابیں اور ۵۰۰ سے زیادہ رسالے لکھ چکا ہے۔ جرمنی میں ۲۰ لاکھ اور روس میں ۳۲ لاکھ اس کی مختلف کتابوں کے نسخہ جات فروخت ہو چکے ہیں۔ یہ امریکن ہے مگر امریکہ سے کہیں زیادہ اس کی تصانیف یورپ میں مقبول ہیں۔ دور حاضرہ میں دنیا میں سب سے زیادہ اس کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ بڑی حد تک اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب برپا کرنے میں اس کی کتابوں کا ہاتھ ہے۔ ۴۴ مختلف زبانوں میں اس کی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے جن میں بہت سی زبانیں تو ایسی ہیں جن کا خود اس نے کبھی نام نہیں سنا۔

گذشتہ ۲۵ برس سے امریکہ کا مشہور مصلح ہے۔ غربت کو مٹانا اور انصاف کو دنیا میں پھیلانیکا خواہاں ہے۔ خود نہایت غربت

ہیں پایا ہے اور تجربہ سے جانتا ہے کہ یہ کس قدر تلخ شے ہے۔ امریکہ میں اس نے عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دلوانے کے لئے جدوجہد کی۔ مانع حمل کے استعمال کے خلاف برابر جنگ میں مصروف ہے۔ جب کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو مثل شکاری کتے کے اسکا پیچھا کرتا ہے۔ ایکبار وائیولن سیکھنے کا شوق چرایا تو تین سال برابر ہر روز ۸ گھنٹے کے حساب سے مشق کرتا رہا اور جب پڑوسیوں نے گلہ کیا تو جنگل میں جاکر مشق شروع کردی۔ عمر میں چار بار گرفتار ہوا۔ ایک مرتبہ ۱۸ گھنٹے اس واسطے جیل کا منہ دیکھا کہ اتوار کے روز ٹینس کھیل رہا تھا۔ دوسری مرتبہ تین روز کی جیل کاٹی کیونکہ راکفیلر کے دفتر کے سامنے ٹہل رہا تھا۔

ابھی عمر دس برس کی بھی نہ تھی کہ تھیکرے، ڈکنس، شکسپیر اور پچاسوں دوسرے مصنفین کی کتابوں کو پڑھ ڈالا۔ دو سال گرامر اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول پاس کر لیا۔ ۱۴ برس کی عمر میں جب داخلہ کالج میں لیا جیب میں ایک ڈالر بھی نہ تھا اور ماں کی پرورش بھی کرنا تھی۔ کہانیاں اور لطیفہ لکھ کر فروخت کرتا اور گھر کا گذر چلاتا۔ جب کولمبیہ یونیورسٹی نیویارک میں پڑھتا تھا تو دن میں ۸ گھنٹے تو یونیورسٹی میں سخت محنت کرتا اور بعد کو ہر رات ایک کہانی ۸ ہزار الفاظ کی لکھواتا تھا یعنی الفاظ دیگر ایک مہینہ میں تین ناولیں تیار کرتا تھا۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو کروڑہا انسانوں میں بھی کوئی ایک

بمشکل تمام کر سکیگا۔ جب کالج چھوڑا عمر ۲۰ برس کی بھی نہ تھی اور قصہ کہانیاں لکھ کر ۷۰ ڈالر فی ہفتہ کے حساب سے کما رہا تھا۔ اس چھوٹی عمر میں یہ ایک نمایاں کامیابی تھی اور آمدنی بھی بہت معقول تھی۔

ایک روز دل میں کہا میں قلم کے زور سے دولت پیدا کر رہا ہوں حالانکہ میرا نصب العین انصاف پھیلانا اور غربت کو دور کرنا ہے۔ حالانکہ بیمار بیوی اور ایک بچہ کی پرورش کی ذمہ داری تھی مگر جلد ہی اپنا انداز تحریر بدل ڈالا۔ ریاست نیوجرسی امریکہ میں ایک تنبو لگایا۔ اس میں رہنا شروع کیا۔ غریبوں کی زندگی گذارنا پسند کی۔ دنیا کی حالت سدھارنے کے لئے ناولیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۵ سال میں ۵ ناولیں لکھیں جو صرف ۱۰۰۰ ڈالر میں فروخت ہوئیں یعنی قریب ۱۷ ڈالر فی مہینہ کے حساب سے کمایا۔ ۶ سینٹ فی یوم کیا چیز ہوتی ہے۔ یہ دور بڑا سخت گذرا اور اکثر تو کئی کئی دن تک فاقے کئے۔ اسی عرصہ میں ایک روز بیوی بازار سے ۳۰ سینٹ کا ایک میز پوش خرید لائی۔ اپٹن سنکلیر نے اسے واپس کرا دیا کیونکہ اس پیسہ سے ایک دن کا گذر چلتا تھا۔

اس کی چھٹی ناول "دی جنگل" ایک مشہور ناول ہے۔ پورے امریکہ میں اس سے تہلکہ مچ گیا اور اس کا مسودہ تیس ہزار ڈالر میں فروخت ہوا۔ اپٹن سنکلیر نے اس رقم سے دریائے ہڈسن کے کنارے ایک کالونی تیار کی جس میں آرٹسٹ گویّے اور مصنف سستے دام اور بہتر طریقہ پر زندگی بسر کر سکتے تھے۔ خود بھی کچھ عرصہ یہاں رہا مگر ایک رات اس کے ٹنٹ

میں آگ لگ جانے کی وجہ سے ہر چیز خاک سیاہ ہوگئی - اس نے اس نقصان کا کوئی اثر نہ لیا اور ناول نویسی کا کام جاری رکھا - یہ نہایت سادی طبیعت کا انسان ہے - چاء کافی اور سگریٹ تک کبھی نہیں پی - شراب کا جانی دشمن ہے اور اس کے خلاف جہاد کرنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے -

اس کا باپ دہسکی فروخت کرتا تھا اور ایک زبردست شرابی تھا - غریب سنکلیر ہر رات نکلتا مختلف شراب خانہ جھانکتا پھرتا اور جہاں اپنے باپ کو پاتا سہارا دیکر گھر لاتا اور بستر پہ لٹا دیتا - اس کی ماں رفعت اور مخمور شرابی شوہر کی جیبوں کو ٹٹول کر پیسہ نکال لیتی اور دوسرے دن کے کھانے کا انتظام کرنیکیلئے چھپا دیتی - اپٹن سنکلیر کا تعلق اس قدر غریب خاندان سے تھا کہ نہایت غلیظ اور سستے کوٹھوں میں رہتا اور پھر بھی کرایہ ادا کرنے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے مستقل طور پہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چھپتا پھرتا - شراب نے سنکلیر خاندان کو تباہ و برباد کر دیا تھا اپٹن سنکلیر سب سے زیادہ اس موذی شے سے جلتا تھا - کہتا تھا شراب زندگی کو مختصر کرتی ہے - اس کے استعمال سے انسان عقل و فہم گنوا بیٹھتا ہے اور جانور بن جاتا ہے - شراب کے ہر جام میں ہر گھونٹ میں راز بربادی نہاں ہے +

ڈیوک فیملی

ڈورس ڈیوک دنیا کی سب سے مالدار لڑکی ہے۔ اکثر لوگ اس
کو "رئیس مگر غریب لڑکی" کہتے ہیں۔ اس کی شادی خانہ آبادی رہی۔ غریب
نہیں جانتی کہ زندگی کا لطف کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ جہاں جاتی ہے
رپورٹر اور فوٹوگرافر اس کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اگر سینڈل خریدنے
کے لئے بھی بازار نکلتی ہے تو وہ چار جاسوس بھرے پستول ہاتھوں
میں لئے فوراً اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ اس کی حفاظت کر سکیں
شادی کے ایک ہفتہ بعد جب سمندر میں نہانے کو گئی تو تین سال کا پرانا
نہانے کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ایک کروڑ پونڈ تو اس کے پاس نقد ہے
اور امریکہ، ہوائی اور فرانس میں وسیع جائداد ہے۔ ریاست نیوجرسی
امریکہ میں پانچ ہزار ایکڑ زمین پہ نہایت خوبصورت فارم ہے جس
میں باغات، نہریں، جھیلیں اور بہت سے لائنس ہیں۔ دولت اس
کو باپ سے ورثہ میں ملی اور اس کے باپ جیمز بجن ڈیوک نے دولت

دھوئیں --- تمباکو کے دھوئیں سے کمائی۔

سول وار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے جنوبی حصّہ کے رہنے والوں کا بڑا نقصان ہوا۔ کھیت خاک سیاہ کر دئیے گئے تھے اور افلاس کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ چاء اور قہوہ کی جگہ بنولے اور عناب ابال ابال کر لوگ پیتے تھے۔ جن کمروں میں گوشت میں نمک لگا کر سکھانے کے لئے لٹکاتے تھے لوگ وہاں کی کچی مٹی کھودتے اور اسے پانی میں ابال کر نمک حاصل کرتے تھے جیمز بچن ڈیوک کا باپ واشنگٹن ڈیوک جنرل رابرٹ لی کی فوج میں ملازم تھا۔ جنرل لی کی شکست کے بعد قصبہ درہم ریاست نورتھ کیرولائنا میں اپنی فارم پر واپس آ گیا

اجڑ چکا تھا صرف تھوڑا سا تمباکو کھیت میں باقی رہ گیا تھا اور اس کے پاس ایک اندھے اور بوڑھے گدھوں کی جوڑی، دو شلنگ اور دو ولے مال کے بچوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ واشنگٹن ڈیوک اور اس کے دونوں بیٹوں "بک اور بین" نے تمباکو کاٹنا سکھایا۔ بنڈل بنائے اور ایک گاڑی میں گدھے جوت تمباکو لاد ریاست نورتھ کیرولائنا کے جنوب میں چل پڑے جہاں تمباکو بہت کم پیدا ہوتا تھا۔

تمباکو دیتے اور بدلہ میں گوشت، آلو اور روٹی لیتے۔ رات ہوتی تو سڑک کے کنارے ٹھہر جاتے کھانا پکاتے اور وہیں سو جاتے صبح پھر چل دیتے۔ تمباکو کو اس طرح فروخت کرنے میں کچھ ایسا مزہ آیا کہ تمباکو بونے کی جگہ تمباکو بیچنے کا فیصلہ کیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ وہیں گویا

تمباکو کی دنیا کو اللہ پاک نے ان کے نام بک کر دیا اور جلد ہی یہ شہنشاہ تمباکو بن گئے۔ پہلے سے صدہا بڑی بڑی فرمیں پائپ کا تمباکو تیار کر رہی تھیں جن کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ ڈورس ڈیوک کے باپ نے سوچا کہ جب تک کوئی جدت نہ کی جائے گی دال نہ گلے گی۔ اس وقت ۱۸۸۱ء میں سگریٹ بنانے کا فیصلہ کیا اور ۷۵ برس کی عمر میں جب مرا تو ۲ کروڑ پونڈ کا مالک تھا۔ راکفیلر انتقال کے وقت قریب ۱۴ کروڑ پونڈ نقد کا مالک تھا۔

امریکہ جو پوری دنیا کو تمباکو مہیا کرتا ہے ۱۸۶۷ء تک وہاں کوئی سگریٹ کا نام نہ جانتا تھا۔ اب صرف امریکہ کے اندر ہر سال ایک ہزار دو سو پچاس کروڑ سگریٹیں پی جاتی ہیں۔ خود انگلینڈ میں کریمین وار سے پہلے سگریٹ کا استعمال ہوتا تھا۔ جن انگریز دستوں نے کریمین وار میں حصہ لیا واپسی پر وہ اپنے ساتھ سگریٹ لائے۔ ہاں روسی اور ترک ضرور پشتہا پشت سے سگریٹ پینے کے عادی تھے۔ غرض ۱۸۸۱ء میں امریکہ کے اندر سگریٹ بنانا جدت سے کم نہ تھا۔ بک ڈیوک نے پہلے تو ہاتھ سے سگریٹ بنانا شروع کئے۔ اس کے بعد ہی ایک مشین تیار کی جو ۲۵ ہزار فی یوم کی جگہ دس لاکھ سگریٹ فی یوم نکالنے لگی۔ بعد میں "بک ڈیوک" سگریٹ کے ڈبے بھی بنائے۔ تجارت پہلے ہی سے زوروں پر تھی ادھر کانگریس نے تمباکو پر ٹیکس کم کر دیا بس چار چاند لگ گئے بک ڈیوک نے سگریٹ کی قیمت بھی ۵ پنس کی جگہ ۲½ پنس فی پیکٹ کر دی۔ نئے نئے مارکٹ تلاش کئے اور جلد ہی مال پوری دنیا کو سپلائی

کرنے لگا۔ عمر ابھی ۲۷ برس ہی کی تھی کہ نیو یارک میں ایک اور فیکٹری قائم کر دی۔

حالانکہ اب کم از کم ایک ہزار پونڈ فی ماہ نفع تھا کہتا تھا کہ جب راکفیلر تیل سے دولت پیدا کر سکتا ہے تو آخر میں تمباکو سے پیسہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔ جو بھی نفع ہوتا تجارت میں لگاتا جاتا تھا۔ فخر کرتا اور کہتا کہ جتنے لکھ پتی میں نے بنائے دوسرے کسی امریکن نے نہیں بنائے۔ صرف پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کی تھی اور کہتا تھا کہ تجارت کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اعلیٰ تعلیم تو پادری لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ کہتا تھا میں نے پہلے دماغ دوڑایا پھر ایک فیصلہ کر کے جمتا رہا اس وجہ سے کامیاب ہوا۔ بہت سے مجھ سے کہیں زیادہ ہوشیار اور قابل ہیں مگر تجارت میں کامیاب نہیں کیونکہ ان کے پاس ارادہ اور عمل نہیں۔ جیمز بچن ڈیوک کو پبلسٹی اور نام ونمود سے نفرت تھی۔ زندگی میں صرف ایکبار انٹرویو کیا اور رپورٹر کو بتایا کہ اتنا مالدار ہونے کے باوجود ذرا سا بھی وہ زندگی کا لطف حاصل نہ کر سکا آٹھ لاکھ پونڈ سے درہم میں ڈیوک یونیورسٹی قائم کی اور اس کا ٹرسٹی مقرر ہوا۔ دنیا میں ایک یونیورسٹی کا یہ سب سے کم عمر ٹرسٹی تھا حالانکہ اسکول میں صرف پانچویں کلاس تک پڑھا تھا +

جون لاگی بیرڈ

ٹیلی ویژن کے اس موجد نے سب سے پہلے اس کا تجربہ ۲۲ فرتھ اسٹریٹ لندن میں ۲۷ جنوری ۱۹۲۶ء کو کیا۔ سائنس کے ذریعہ انسان کی ترقی کے دور میں یہ ایک نہایت اہم تاریخ ہے۔ ٹیلی ویژن اب بہت ترقی کر چکی ہے اور حال ہی میں ۲۲۲ فٹ اونچا ایک ٹیلی ویژن مینار دنیا کی سب سے اونچی عمارت ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ نیویارک امریکہ پر تیار کیا گیا ہے۔ ایک وقت میں ڈیڑھ کروڑ سامعین اس نئے مینار کے ٹی وی سگنلس سے مستفید ہو سکینگے۔ اس مینار کی چوٹی پر سرخ روشنی سطح زمین سے پندرہ سو فٹ اونچی ہے۔ ٹیلی ویژن کے ذریعہ ہم دور دور کی چیزوں کو ان کی اصلی حالت اور شکل میں دیکھ سکتے ہیں مثلاً ہم سے پانچسو میل دور ریڈیو اسٹیشن پہ کوئی تقریر نشر کر رہا ہے۔ ریڈیو سٹ کے ذریعہ ہم محض اس کی تقریر سن سکتے ہیں مگر ٹیلی ویژن کے ذریعہ ہم اس کو تقریر کرتے ہوئے باقاعدہ دیکھ بھی

سکتے ہیں۔

یوں تو اس کے ابتدائی اصولوں سے انسان ۱۸۴۲ء سے آشنا تھا مگر عملی جامہ پہنانے میں بہ آہستہ کام ہو رہا تھا۔ باوجود تجربوں، کوششوں اور خیال آرائی کے ۱۹۲۶ء کی ابتدا تک کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی اس لئے لندن کی بہترین تجربہ گاہ رائل انسٹیٹیوٹ کے ممبروں نے جب جنوری ۱۹۲۶ء کو لوگی بیرڈ کا خط موصول کیا جس میں اس نے ٹیلی ویژن کا مظاہرہ کرنے کے لئے لکھا تھا تو انہوں نے اس کو محض لغویت سمجھا اور اس کا مذاق اڑایا اس وجہ سے اور کہ نہ تو یہ کوئی مشہور سائنسداں تھا اور نہ ہی کسی مشہور لیبریٹری میں اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لئے تجربہ کر رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے اس سے پہلے اس غریب کا کسی نے نام تک نہ سنا تھا۔

۲۲ فرتھ اسٹریٹ لندن میں ایک معمولی کوارٹر کے دو نہایت مختصر کمرے اس کے پاس تھے جن میں اس کی تجربہ گاہ تھی۔ لندن کے ان ہی دو مختصر اور بوسیدہ کمروں میں ٹیلی ویژن پیدا ہوئی۔ بیرڈ اکثر بیمار رہتا تھا۔ غریب تھا اور اس کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ جہاں تک سامان کا تعلق ہے موجودہ تجربہ گاہوں کا کوئی سامان اس کے پاس نہ تھا۔ چاء کی پیٹیاں بسکٹ کے ڈبے۔ دفتی کے ٹکڑے۔ ردی شیشے۔ بیکار تار اور اسی قسم کی بہت سی دوسری چیزیں جن کو ہم فضول سمجھ کر پھینک دیتے ہیں اس کی لیبریٹری کا اثاثہ تھیں۔ ان ہی چیزوں کو یکجا کر کے

بار بار یہ تجربہ کرتا اور بار بار ناکامیاب ہوتا۔ ناکامیابی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کوشش جاری رکھی اور آخر اس قابل ہوگیا کہ چیزوں کے سایہ حاصل کرنے لگا۔ مگر کئی دوسرے سائنسداں بھی اس منزل تک پہنچ چکے تھے۔ کوشش، شوق اور استقلال کیا نہیں کراسکتا۔ بیرڈ کو جلد ہی اور کامیابی ہوئی۔

رویائل انسٹیٹیوٹ کے ممبران جو اس کا خط پڑھ کر اول اول اس کو خبطی سمجھتے تھے ان میں سے پچاس نے اس کا تجربہ دیکھنے کی دعوت قبول کرلی۔ وقت مقررہ پر یہ سائنسداں جمع ہوگئے مگر جگہ ناکافی ہونے کی وجہ سے ان میں سے صرف چھ ایک وقت میں جاتے تجربہ دیکھتے اور بقیہ بے چین اور بیقرار سیڑھیوں پر یا گوکھ میں کھڑے انتظار کرتے ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے ان دو مختصر کمروں میں ۲۷، جنوری سنہ ۱۹۲۹ء کو پہلی بار اپنی آنکھوں سے ابتدائی ٹیلی ویژن کے ذریعہ ایک اسکرین پر دور دور کی چیزوں کے دھندلے نقشہ دیکھے۔ بیرڈ نے تجربہ یہ بھی دکھایا کہ اسکرین پر فوراً انسانی چہرہ جہاں اس طرح آتا ہے کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس حصہ پر روشنی پڑ رہی ہے اور کہاں سایہ ہے وہاں یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ آیا وہ ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے خاموش ہے یا کچھ بول رہا ہے۔

غرض ان حالات میں ٹیلی ویژن کی صورت میں بیرڈ نے قدرت سے ایک بہت بڑی نعمت حاصل کی وہ ایک ایسی ایجاد کا موجد کہلایا

جو دنیا کی موجودہ اور آئندہ ترقی میں نمایاں حصہ لے گی۔ جستجو کرنے والے نے اپنی محنت اور صبر کا انعام پالیا۔ سائنس کی بڑی بڑی ایجادیں اکثر معمولی انسانوں نے روزمرہ کے ماحول میں رہ کر نہایت معمولی تجربہ گاہوں کے اندر کی ہیں۔ ضروری نہیں کہ زبردست اور غیر معمولی ایجادات کے لئے ویسی ہی زبردست اور غیر معمولی لیبریٹریز بھی ہوں۔ ایجاد کی روح موجد کی روح میں پنہاں ہوتی ہے نہ کہ ٹیسٹ ٹیوب، بیورٹ اور فلاسک میں، کانچ کی شیشی، لوہے کی پھکنی یا بسکٹ کے ڈبہ میں فیراڈے، پیلاسی، ایڈیسن، بیرڈ اور ہر اس موجد کے لئے کہ جس کے اندر کسی چیز کے حاصل کرنے کا بے پناہ شوق، آہنی ارادہ اور صبر ہے یہ سب چیزیں برابر ہیں ؛

جیک لنڈن

امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا میں ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوا۔ اور ۴۰ برس کی عمر ۱۹۱۶ء میں مرگیا۔ موت سے صرف ۱۰ سال پہلے ادبی کام شروع کیا اور اس مختصر عرصہ میں ۵۱ کتابیں اور بیشمار کہانیاں لکھیں۔ ۱۹ برس کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا۔ آدھی زندگی بھیک مانگ کر گزاری اور بقیہ آدھی میں سالانہ آمدنی صدر امریکہ کی آمدنی سے دگنی تھی۔ اس کی کتابیں آج بھی بیحد مقبول ہیں۔ یورپ کے اندر تمام امریکن مصنفین میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا بہترین شاہکار "دی کال آف دی وائلڈ" پہلی بار ۱۹۰۳ء میں چھپا جس نے اس کو ادبی دنیا کے افق پر ایک درخشاں ستارے کی حیثیت عطا کردی۔ اس کو اس کتاب کی قیمت صرف ۴۰۰ پونڈ ملی لیکن پبلشر اور ہالی وڈ اس کتاب کے ذریعہ دو لاکھ پونڈ کما چکے ہیں۔ ۱۵ لاکھ سے زیادہ اس کتاب کے نسخہ فروخت ہو چکے ہیں اور بیسیوں زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اس کا بچپن سخت تکالیف اور مفلسی میں گذرا۔ اس کی زندگی ایک دلچسپ ڈرامہ ہے۔ صدہا بار گرفتار کیا گیا اور امریکہ، جاپان، کوریا منچوریا اور میکسیکو کے جیل خانوں میں سزائیں کاٹیں۔ اکثر فاقے کئے۔ باغات کی نیا پائیوں پر، مال گاڑیوں کے ڈبوں میں، کھیتوں میں بھوسے پر راتیں بدائیں بلاٹکٹ آدھی دنیا کا سفر ریل کے ڈبوں کے نیچے مثل چھپکلی کے چپک کر لیا۔ اکثر تھک کر وہیں سو گیا۔ کشتیاں چلائیں۔ مچھلیاں پکڑیں کشتیاں لڑیں۔ سونے کی تلاش میں کانیں کھودیں۔ ہوٹلوں میں برتن مانجھے۔ کمروں میں جھاڑو دی۔ فیکٹریوں میں کام کیا۔ سوکھے ٹکڑے کھائے گئی کوٹھی جیں کاٹیں۔ سخت زمین پر سویا اور جاگنے پر اپنے کو پانی کے اندر ڈوبا پایا برسوں بھیک مانگ کر زندگی بسر کی۔ غرض زندگی کے ہر دور سے گذرا۔ ایک کامیاب مصنف بننے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت مواد کی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی گوناں گوں تجربات کا مجموعہ تھی جن کو اس نے اپنی تصانیف کے اندر رچا دیا۔ قلمبند کرنے کے واسطے اس قدر ذخیرہ تھا کہ ابلا پڑتا تھا۔

ایکدن ایک پبلک لائبریری میں گذر ہو گیا۔ روبن سن کروسو پڑھنا شروع کیا۔ مزہ اتنا آیا کہ گھر کھانے بھی نہ گیا اور کتاب ختم کر کے ہی باز آیا۔ اب روزانہ لائبریری جا کر نئی نئی کتابیں پڑھنے لگا۔ الف لیلیٰ کے مثل ایک نئی دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگی۔ پڑھنے کا شوق زیادہ ہوتا گیا اور کتابوں کے واسطے تشنگی بڑھتی گئی۔ اکسا اوقات پندرہ پندرہ

گھنٹہ متواتر پڑھتا رہتا۔ بہت جلد شیکسپیر سے کارل مارکس تک سب کچھ پڑھ ڈالا۔ دل کے ارمان نکل چکے تھے۔ پولس والوں کے ڈنڈے تھپیڑ بہت کھائے تھے۔ ادہم بازی دل کھول کر کرچکا تھا۔ ریلوے ملازمین کی لالٹینوں کی سر پر ٹھوکیں خوب کھا چکا تھا۔ مصمم ارادہ کیا کہ دماغی کام کرکے ایک بڑے ادیب کی حیثیت سے دنیا کی خدمت کرے گا اور اسی وقت شرر آمیز و فسادی باتوں سے توبہ کی۔

عمر ۱۹ برس کی تھی شہر اوکلینڈ کے ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اب تو رات دن پڑھتا اور بمشکل تمام ذرا سی دیر کے لئے سوتا۔ غضب کی محنت کی اور ۳ مہینہ کے اندر چار سال کا کورس ختم کر ڈالا۔ میٹرک پاس کرکے کیلی فورنیا یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ایک بڑے مصنف بننے کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ ٹریزر آئیلینڈ۔ دی کاؤنٹ آف مانٹی کرسٹو اور دی ٹیل آف ٹو سٹیز کو پہلے صدہا بار پڑھا وہ پھر ویسا ہی لکھنے کی مشق شروع کی۔ ہر روز ۵ ہزار الفاظ لکھتا یعنی ہر بیسویں روز ایک نیا ناول تیار کر ڈالتا۔ اکثر ایک ہی وقت میں تیس تیس کہانیاں اشاعت کے لئے دیتا۔ مگر اسی عرصہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ غربت کا عالم وہی رہا کہ کمرہ کا کرایہ ادا کرنے تک سے مجبور تھا۔ ہاں آئندہ کے لئے ضرور نہایت اچھی بنیاد پڑ گئی۔

ایک بار پھر خیال پلٹا۔ افلاس سے تنگ تھا ہی ۱۸۹۶ء میں الگلینڈ بھاگا۔ یہاں سونے کی کان برآمد ہوئی تھی اور ایک خلقت ٹڈی دل کی

صورت وہاں اندھی چلی جارہی تھی۔ سپاہی فوج سے سوداگر گودام بند کر کے دوکاندار دوکانوں میں تالے ٹھونک کر، کسان کھیتوں سے غرض کون تھا جو سونے کی تلاش میں اس سمت جاتا نظر نہ آتا تھا۔ جیک لنڈن نے بھی ایک سال وہاں قسمت آزمائی کی مگر پلے کچھ نہ پڑا۔ کئی انیس کھردیں اور زمین پر سویا جب کہ حرارت نقطۂ انجماد سے ۴۷ ڈگری نیچے تھی جیب بھی خالی ہو گئی، نوبت فاقوں کی آ گئی۔ مہنگائی اتنی ہوئی کہ ایک انڈا ایک شلنگ میں بکنے لگا۔ پھر بھاگا اور فیصلہ کیا کہ ذلت کی زندگی بہت گذاری اب عزت حاصل کریگا۔ کمر کس لی اور ۱۸۹۸ء میں جب کہ جیب میں صرف دس شلنگ تھے ادبی کام شروع کیا۔ ۵ سال کے اندر یعنی سنہ ۱۹۰۳ء تک ۶ کتابیں اور ۲۵ مختصر کہانیاں شائع کرادیں اور امریکہ کے ادبی حلقوں میں سب سے زیادہ اس کا ذکر رہنے لگا۔

یہی لڑکا جو چھ برس پہلے بھیک مانگتا پھرتا۔ جس کو پولس نے گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈالدیا تھا۔ جس نے ۳۰ دن کی سزائے بامشقت بھگتی تھی اور اس عرصہ میں گٹی توڑی تھی اور محض خشک روٹی چباکر اور اوپر سے پانی پیا تھا اب امریکہ کا ایک ممتاز ادیب تھا۔ ناول نویس اور مبصر تعریفوں کے پل باندھتے۔ بڑے بڑے شارح اور نقاد اخباروں میں اس کے اوپر دلچسپ مضامین نکالتے۔ لوگ دستخط جمع کرتے پھرتے۔ فوٹوگرافر فوٹو کھینچتے۔ رپورٹرز رپورٹیں جمع کرتے۔ اب اس کے پاس اپنا بنگلہ، موٹر، نوکر چاکر، سکریٹری اور دنیا کا

ہر ممکن آسائش کا سامان موجود تھا۔ شہرت اور عزت تھی۔ دولت اب اس کی لونڈی تھی۔ کیلی فورنیا کے اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں میں اب اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہی سپاہی جو کبھی چپت لگاتے تھے اب اس کے نام سے ان کی روح فنا ہوتی تھی +

شہزادہ رڈلف

اس کے باپ دادا گذشتہ ۶۰۰ برس سے آسٹریا پر حکمراں تھے۔ اس کی المناک موت کا واقعہ حالانکہ آج سے ۶۲ برس پہلے پیش آیا مگر اب تک نہ صرف ہماری اور آپ کی زندگی بلکہ پوری تاریخ عالم پر گہرا اثر ڈال رہا ہے۔ اگر یہ جمہوریت پسند شہزادہ زندہ رہتا تو ہو سکتا ہے ۱۹۱۴ء میں قیصر جرمنی جس سے اس کو نفرت تھی اس کے ساتھ آسٹریا کی افواج شامل نہ ہوتیں۔ انگلستان جس سے اس کو اُنس تھا اس کے خلاف جنگ سے انکار کر دیتا اور اس طرح شاید پہلی اور دوسری جنگ عظیم نہ ہوتی۔

دس زبانیں جانتا تھا۔ دور دور کی سیر کئے ہوئے تھا۔ بہت سی کتابوں کا مصنف تھا اور پورے ملک میں ہر دل عزیز تھا۔ آسٹرو ہنگیرین ایمپائر کے اس ولیعہد کی شادی اس کی وفات سے آٹھ سال قبل محض سیاسی نکتہ نگاہ کے ماتحت شہنشاہ بلجیم کی بیٹی شہزادی

اسٹیفانی سے ہوئی تھی۔ میاں بیوی کے درمیان رمق برابر محبت نہ تھی۔ شہزادی شادذ ونادر شہزادے پاس جاتی اور کسی غیر عورت کو بھی شہزادے کی صحبت میں دیکھ نہ سکتی تھی۔ پورا ملک جانتا تھا کہ شہزادے کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے اور وہ اس شادی سے عاجز ہے

موت سے ایک سال قبل جب کہ شہزادہ رڈلف کی عمر ۲۹ برس کی تھی اس کی ملاقات ایک ۱۹ سالہ حسینہ سے ہوئی جس کا نام بیرونس میری ویٹسیرا تھا۔ دونوں میں گہری محبت ہوگئی اور جلد ہی اس عشق ومحبت کا تذکرہ بوڈاپیسٹ اور ڈائینا کی عوام کی زبان پہ رہنے لگا۔ شہزادے کے باپ شہنشاہ فرانز جوزف نے اس خبر کو سنکر پہلے چند روز تو صبر سے کام لیا اور پھر ایک دن رڈلف کو اپنے حضور میں طلب کرہی لیا حکم دیا کہ یہ ناجائز رشتہ فوراً ختم ہوجائے۔ رڈلف نے باپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ وہ دولت، اعزاز، شہرت اور ہبسبرگ کے تاج کی پرواہ نہ کریگا، اپنی جائز بیوی کو طلاق دے دیگا مگر میری کو کسی قیمت پہ نہ چھوڑیگا۔ شہنشاہ کو بہت غصہ آیا۔ بہت چیخا چلّایا اور آخر میں بیٹے کو عاق کرنے کی دھمکی دی۔

ایک شکارگاہ کے اندر جو نارڈ کے درختوں کے درمیان وائینا سے بتیس میل دور تھی دنیا کی نگاہوں سے چھپکر شہزادہ رڈلف اب میری سے ملاقات کیا کرتا۔ جنوری ۱۸۸۹ء میں یہ دونوں چند روز سے اسی شکارگاہ میں مقیم زندگی کے مزے اڑا رہے تھے کہ

ایک برف باراں صبح طلوع آفتاب سے قبل اچانک طور پر بندوق کی تین مسلسل آوازیں سنائی دیں۔ اس کے صرف دو دوست پرنس فلپس اور کاونٹ ہولیس جو اس رات شکار گاہ میں اس کے ساتھ مقیم تھے یہ آوازیں سن کر اس کے کمرہ کی طرف بھاگے۔ آوازیں دینے پر جب کمرہ نہ کھلا تو دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور عجب منظر دیکھا۔

ہر چیز ابتر حال پڑی تھی۔ کرسیاں اوندھی پڑی تھیں۔ فرش پر خالی شراب کی بوتلیں لڑھک رہی تھیں۔ کمرہ کی دیواروں پر خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ بستر اور تکیہ خون میں لت پت تھے۔ شہزادہ شکاری جوتے اور وردی پہنے سر اڑا ہوا بستر پر پڑا تھا۔ پہلو میں بیرونس میری کی لاش تھی اور جس طرح زندگی میں وہ مثل دیویوں کے حسین تھی مرنے کے بعد بھی حسن کا وہی عالم تھا۔ برہنہ جسم پر سوائے کنپٹی کے کہیں زخم کا نشان نہ تھا اور کنپٹی کا زخم جو گہرا تھا اس کی سنہری زلفوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

شہنشاہ نے اس واقعہ کو دبانا چاہا۔ شاہی ڈاکٹر سے اعلان کرانا چاہا کہ شہزادہ روڈلف مرگی کا مریض تھا اور اس کا شکار ہو گیا مگر ڈاکٹر نے اس جھوٹے اعلان کے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شہزادہ کی تجہیز و تکفین پوری شان و شوکت کے ساتھ ہوئی۔ پوری ریاست میں ہفتوں سوگ منایا گیا۔ مگر اس کی محبوبہ کی لاش شکار گاہ میں کئی روز تک کسمپرسی کے عالم میں پڑی رہی۔ آخر ایک روز اندھیری رات میں نہایت ناخوشی کے ساتھ ایک معمولی تابوت کے اندر بند کر کے

اس کو تاڑوں کے اس گھنے جنگل میں گڈھا کھود کر دبا دیا گیا۔ اس کی نوحہ خواں صرف تاڑ کے درختوں کی آواز تھی۔

بندوق کی تین گولیوں نے دنیا کی تاریخ بدل کر رکھدی۔ اس سانحۂ عظیم سے کچھ دیر پہلے شہزادہ کو اس کے نوکر نے جگایا تھا۔ نوکر کا کہنا ہے کہ وہ ہنس رہا تھا اور بہت خوش نظر آتا تھا۔ سخت ٹھنڈ اور برف باری کیوجہ سے شکار کا خیال ملتوی کر دیا تھا اور وائنیا واپس جانے کے لیئے گاڑی تیار کیئے جانے کا حکم دے چکا تھا۔ نوکر آخری آدمی ہے جس نے ولیعہد کو زندہ دیکھا اس کے خیال میں شہزادے کو کسی تیسرے آدمی نے قتل کیا۔ مگر شہزادہ کے دونوں دوستوں کا خیال ہے کہ شہزادہ نے اپنی محبوبہ کو پہلے قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔

سمجھ میں نہیں آتا شہزادے رڈلف نے خودکشی کیوں کی جب کہ اس کے پاس دنیا کی تمام نعمتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ دولتمند تھا۔ حسین تھا عشق و محبت میں کامیاب تھا۔ اس کے پاس علم، شہرت، عزت صحت اور شباب تھا۔ قوم کو بیحد محبوب تھا اور ہیپسبرگ کی گدی کا مالک تھا حق تو یہ ہے کہ اس حادثہ کی حقیقت کا پتہ نہ چل سکا ہے اور نہ چل سکیگا حالانکہ اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں جرمنی، اطالوی اور انگریزی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں +

جنرل میک آرتھر

امریکہ کی ملٹری ہسٹری کے اندر اس سے بہتر کسی دوسرے جنرل کا رکارڈ نہیں۔ ویسٹ پوائنٹ ملٹری اکیڈیمی میں اول نمبر پاس ہوا اور اتنے نمبر حاصل کئے کہ گذشتہ ۲۵ برس کا ریکارڈ بریک کر دیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بچپن ہی سے ایک کامیاب لیڈر کے تمام اوصاف اس کے اندر موجود تھے۔ اس کا باپ ملٹری میں کرنل تھا۔ بچپن ہی سے روپیہ کی ریل پیل تھی۔ بچپن میں بھی کبھی گڈے گڑیا یا چڑے چڑیا کی کہانی نہ سنی چار برس کی عمر سے کان بندوق کی آواز سے آشنا تھے۔ انہیں بڑے بڑے فاتحین کی داستانیں سنیں۔ اکثر کہا کرتا ہے کہ زندہ رہنے کا صرف انہی کو حق ہے جو موت سے نہیں ڈرتے۔ مذہبی خیالات کا آدمی ہے ہر روز عبادت کرتا ہے۔ فوج کے اندر تازہ روح پھونکنے میں کمال رکھتا ہے۔

۲۶ جنوری سنہ ۱۸۸۰ء کو امریکہ میں پیدا ہوا۔ آج بھی بہترین صحت

کا مالک ہے۔ بہت محنت سے کام کرتا ہے۔ جہاں اتحادی اقوام کی بری، بحری اور ہوائی افواج کی جنگ کوریہ میں کمانڈ سنبھالتے ہوئے ہے وہاں اتحادی اقوام کے مقبوضہ جاپانی علاقہ کے سپریم کمانڈر کا کام بھی انجام دے رہا ہے۔ پانچ ستاروں والا یہ امریکن جنرل روزانہ ½-۱۰ بجے دفتر آجاتا ہے جو ڈائی اچی نام کی ایک بلڈنگ کی چھٹی منزل پہ ٹوکیو میں ہے مکان امریکن ایجنسی میں ہے جو دفتر سے ایک میل ہے۔ ۲ بجے گھر جا کر کھانا کھاتا ہے۔ جب کبھی دیر ہو جاتی ہے مسز میک فون پر اس کے ایڈی سے فوراً دیر ہونے کی وجہ دریافت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ جنرل سے بولو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ ۵ بجے شام سے ½-۸ بجے رات تک پھر کام کرتا ہے اور پھر اپنی نئی موٹر "کیڈی لاک" میں بیٹھ کر ۵ منٹ کے اندر گھر پہنچ جاتا ہے۔ امریکن طریقہ زندگی اور نظام جمہوری کو پسند کرتا ہے کمیونزم کا جانی دشمن ہے۔ جنگ دوم کے بعد سے یعنی گذشتہ ½-۵ برس سے جاپان کا ڈکٹیٹر اور مشرق بعید کا سپریم کمانڈر ہے۔

جنگ کوریہ میں کمیونسٹ چینی افواج اور شمالی کوریہ کی سرخ افواج اس کی کمانڈ میں اتحادی اقوام کی افواج کا خوب مقابلہ کر رہی ہیں۔ گذشتہ دسمبر کو سمس کے موقع پر جب یہ سوچ رہا تھا کہ ایک آدھ ہفتہ کے اندر کامیابی حاصل ہو جائے گی کوریہ کی افواج نے جن کے پاس نہ نیوی ہے نہ ایئر فورس اور نہ عمدہ ہتھیار امریکہ کی بیحد مضبوط فوج کو جو بحری، بری اور ہوائی حیثیت سے مانی ہوئی تھی زبردست شکست دی۔

امریکہ کے لوگوں تک نے میک آرتھر کی مذمت شروع کر دی مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ سخت خونریزی کے بعد کوریہ کی جنگ کا پھر پانسہ پلٹ رہا ہے اور اتحادی اقوام کی خاطر خواہ کامیابی ہو رہی ہے۔ اس کے سپاہی اس طرح جی توڑ کر لڑتے ہیں جیسے کہ خود اس کے واسطے لڑ رہے ہوں۔ اپنے مکان، خاندان اور آزادی کو برقرار رکھنے کے واسطے لڑ رہے ہوں۔

جنرل فلپائن کے اندر جنگ بطن میں لوہے کا خود پہننے سے انکار کر دیا اور سپاہیوں کو پہنے رہنے کی تلقین کی۔ یہ عملی طریقہ سے فوج کے اندر ہمت وجرأت پیدا کرنے کا قائل ہے۔ اس جنگ کے دوران میں ایک روز ایک باغ کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ سر کے اوپر ایک جاپانی ہوائی جہاز آ کر منڈلانے لگا۔ جہاز کو دیکھ کر نہایت اطمینان کے ساتھ بم بچاؤ خندق کی طرف چلا آیا۔ ایک دوست نے جلدی کرنے کو کہا تو سگریٹ سلگا کر نہایت سنجیدگی سے اسے جواب دیا ایک جاپانی بھی ایسا زندہ نہیں جو مجھ سے جلدی کرا سکے"۔ امن کے زمانہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ شہری بھی اس سے ملاقات کر سکتا تھا۔ اپنے فوجی بیٹے کی خیریت معلوم کرنے کے لئے پریشان حال اور ننگے پیر کسان آتا۔ میک آرتھر لپک کر اس کا خیر مقدم کرتا اور اس کو تسلی بخش جواب دینے کے بعد دروازہ تک چھوڑنے جاتا۔ سپاہیوں کو نام لے کر بلاتا اور مسکرا کر ان کے سلاموں کا جواب دیتا۔ عام پبلک اور فوج ہر دو کے اندر ہر دل عزیز ہے۔ جہاں بعد

بہادر ہے وہاں جذباتی بھی ہے۔ ایکبار "دی میوزک ماسٹر" میں "ڈیوڈوار فیلڈ" دیکھنے گیا اور سینما دیکھتے دیکھتے اس قدر متاثر ہوا کہ رو دیا۔

جب فلپائن میں تھا وہاں کی سخت گرمی اور خشک زندگی سے تنگ آکر خود بھی سوچا کہ دوسرے نوجوان افسران کی طرح شراب وکباب اور عیش و عشرت کی زندگی گذارے۔ لیکن اسے جب بھی یہ شوق چرآتا قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے کو اس بری طرح ڈانٹتا کہ جیسے کوئی سارجنٹ کسی پرائیوٹ کو ڈانٹتا ہے۔ اس کے دوست اس کی بہت تعریف کرتے ہیں مگر بہت کم نام لے کر پکارتے ہیں۔ بیوی تک صرف "جنرل" کہتی ہے۔ اس کے باپ کو سول وار میں کانگرینشنل میڈل آف آنر ملا تھا جو بہت بڑا فوجی اعزاز ہے۔ بچپن میں میک آرتھر اس میڈل کو حیرت سے دیکھتا اور بار بار قسم کھاتا تھا کہ خود بھی کسی روز یہ میڈل حاصل کر کے باز آئے گا۔ پچاس برس بعد جنگ بطن میں غیر معمولی بہادری دکھا کر یہ میڈل حاصل کر ہی لیا۔ جنگ بطن میں حالانکہ جاپانی ہوائی، بحری اور بری فوج بہت طاقتور تھی مگر اس کے چھکے چھڑا دئے اور امریکہ کی ہسٹری میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا۔

امریکہ کی فوجی تاریخ میں یہ سب سے کم عمر میجر جنرل تھا۔ سب سے کم عمر جنرل تھا۔ پہلا امریکن ہے جو دوبارہ چار ستاروں والا جنرل بنایا گیا ویسٹ پوائنٹ میں سب سے کم عمر سپرنٹنڈنٹ تھا۔ پہلا امریکن ہے جس نے اتحادی اقوام کی تمام بحری، بری اور ہوائی افواج کی مکمل کمانڈ سنبھالی

جہاں دس غیر حکومتوں نے اعزاز بخشے امریکن فوج کے بھی سب سے زیادہ اعزازات حاصل کئے۔ پہلا امریکن آرمی آفیسر ہے جو فیلڈ مارشل بنایا گیا اور یہ عزت اس کو حکومت فلپائن نے بخشی۔ پوری دنیا میں کبھی کسی فوجی مشیر کو اتنی تنخواہ نہ ملی جتنی اس کو فلپائن حکومت نے فوجی مشیر کی حیثیت سے دی۔ سب سے کم عمر امریکن فوج کا چیف آف اسٹاف تھا اور پہلا چیف آف اسٹاف تھا جو چار سال کے بعد دوبارہ اسی عہدہ پر معمور کیا گیا پہلی جنگ عظیم میں دوبارہ زخمی ہوا۔ زہریلی گیس کا شکار ہوا۔ تیرہ بار آگ کا مقابلہ کیا اور زبردست بہادری کے صلہ میں اعزازات ملے۔ صف اول میں لڑنے والا اس دور میں سب سے بڑا جنرل ہے۔ جب حملہ کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا ہاتھ میں پستول، تلوار یا بندوق کبھی نہ لیتا تھا۔ صرف کوڑا لئے رہتا اور اس طرح بہادری کا مظاہرہ کر کے فوج کو دلیر بناتا۔ میدان جنگ میں اس سے زیادہ بہادر دوسرا آدمی نظر نہ آتا تھا۔ پچھلی جنگ میں ایکبار بم پھٹ رہے تھے، گولیاں چل رہی تھیں مگر اپنے فوجیوں کے ساتھ گھس گیا اور دشمن کی بہت سی مشین گنوں پر قبضہ کر لیا۔ ایکبار حملہ سے پہلے بخار میں گرفتار ہو گیا نوکروں سے کہلا یا کہ اگر وہ حملہ کے وقت تک چلنے کے قابل نہ ہو سکے تو اسٹیچر پر ڈال کر لڑائی کے میدان میں پہنچا دینا۔

گذشتہ جنگ میں ایک ہی وقت میں اس پر بموں اور ہوائی جہازوں نے حملہ کیا۔ یہ واقعہ ایسا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی

اپنے منسلک کے ہیڈ کوارٹر سے امریکن جھنڈا اتارنے سے انکار کر دیا جب کہ جاپانی شہر پر بمباری کر رہے تھے اور اطمینان سے بیٹھا ہوا کام کرتا رہا۔ کہتا تھا جھنڈا گرانے یا بلڈنگ چھوڑنے سے سپاہیوں کی ہمت کم ہوگی۔ اس کا کہنا ہے کہ فوج بہادری اور بھروسے سے اس وقت کام کرے گی جب خود جنرل بھی اس کا مظاہرہ کرے۔

جنرل ڈگلس میک آرتھر نے فوج کے چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ جہاں ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر ہے دور اندیش انسان بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کا اعلان برسوں پہلے کر دیا تھا۔ کہتا تھا کہ اب جہاز ۰۰ہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلیں گے اور ٹینک ایک میل فی منٹ کی رفتار سے۔ بار بار چلا کر کہتا تھا کہ جرمنی اور جاپان دنیا کو فتح کرنے کی تیزی سے تیاری کر رہے ہیں لیکن کسی نے اس کی بات کو سنا اور سب نے یہی کہا کہ وہ خوف وہراس پیدا کرنے والا اور لڑانیوالا انسان ہے۔ اگر امریکہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا ہوتا اور اس کو مصلح فوج تیار کرنے کے لئے روپیہ دیا ہوتا تو جاپانی پرل ہاربر پر کبھی حملہ نہ کر پاتے ✦

وڈرو ولسن

امریکہ کے اس صدر کو زندگی میں ایک ایسا موقع ملا کہ اگر چاہتا تو اس سے فائدہ اٹھا کر دنیا کا سب سے نامور انسان بن سکتا تھا مگر ناکامیاب صرف اسی وجہ سے رہا کہ لوگوں سے مناسب سلوک کرنے کے فن سے ناواقف تھا۔ دوست بنانے کا خواہاں تھا مگر زندگی میں لاکھوں جانی دشمن بنائے۔ عمدہ کتابیں خریدنے میں دل کھول کر روپیہ خرچ کرتا تھا۔ کھانے پینے کی طرف سے لاپرواہ تھا جو کچھ بھی سامنے آجاتا شوق سے کھا لیتا تھا۔ ایکبار سگار پینے کا شوق چرایا مگر ابھی دس پانچ ہی کش بھرے تھے کہ آئندہ کے لئے کان پکڑ لئے۔ خشک طبیعت انسان تھا جس کا اندازہ چہرہ دیکھ کر ہی ہو جاتا تھا۔ غصہ اول تو آتا نہ تھا اور جب کبھی آتا تو غضب ہو جاتا تھا۔ اپنی پہلی بیوی سے بیحد محبت کرتا تھا۔ صدر بننے کے ایک سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ ۷۲ گھنٹے تک لاش وہائٹ ہاؤس سے باہر نہ جانے دی اور پورے تین دن

تین رات لاش کے سرہانے بیٹھا رہا۔

صدر بننے سے پہلے ایک پروفیسر تھا۔ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے بیوی بھی کام کرتی تھی تب کہیں گھر کا گذر ہوتا تھا۔ زندگی کا کافی حصّہ غربت میں گذرا۔ امریکہ میں جتنے صدر بنے ان میں سب سے زیادہ ادبی ذوق اس کے اندر تھا۔ ۱۱ برس کی عمر تک پڑھنا لکھنا بالکل نہ جانتا تھا۔ اس کا والد بڑا قابل انسان تھا۔ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں نے سب کچھ اپنے والد سے سیکھا ہے ۱۸ برس کی عمر میں جب اس کے والد کا انتقال ہوا جو چیز لکھتا آخر وقت تک پہلے اس کو زور سے پڑھ کر سناتا تھا۔ اس کا والد گھر کے اندر کسی کو ایک لفظ بھی غلط بولنے نہ دیتا تھا۔ فوراً غلط لفظ سہی کرتا۔ پہلے خود اس لفظ کو استعمال کرتا اور اس کے بعد سب گھر والوں سے استعمال کراتا تھا۔ ولسن بہترین انگریزی لکھنے لگا تھا۔ اس سے بہت سے دوسرے مضامین اور جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کے بعض حصہ انگریزی ادب میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔

تقاریر کرنے کی مہارت ایک ڈیبیٹنگ سوسائٹی میں کی تھی اور مضامین ہمیشہ شارٹ ہینڈ میں لکھتا تھا۔ جاسوسی قصہ کہانیاں شوق سے پڑھتا تھا۔ تفریح کے واسطے ہر ہفتہ سینما دیکھنے جاتا تھا۔ آرٹ کا کوئی خاص قدردان نہ تھا۔ بناؤ سنگھار یا کپڑوں کی ذرا پرواہ نہ کرتا تھا صدر بننے کے بعد ایک روز ایک۔ نوکر نے اس کا پرانا سوٹ درزی کے پاس ٹھیک کرانے کے لئے لیجانا چاہا تو اس نے یہ کہکر منع کر دیا کہ یہ

ہوسکتا ابھی ایک سال اور کام دے سکتا ہے۔ شروع میں وکیل بننا چاہا مگر سخت ناکامیابی ہوئی اور صرف اپنی ماں کی جائداد کے ایک مقدمہ کے کسی دوسرے مقدمہ کی پیروی نہ کی۔ فلسفہ اور سائنس سے اس کی طبیعت اکتائی تھی۔ حالانکہ زبان پر بہت کم عبور تھا اور انگریزی ادب سے بھی بہت کم واقف تھا مگر پھر بھی اپنے دور کا ایک بہت بڑا عالم گردانا جاتا تھا

اس کے اندر سب سے بڑی خامی ٹکٹ کی ی تھی۔ بچپن سے ایک سیاست دان بننے کا شوق تھا۔ گھنٹوں کمرہ کے اندر بند ہو کر تقاریر کی مشق کرتا تھا۔ اپنی زندگی میں ایک کامیاب انسان بننے کے لئے اس نے سب کچھ کیا مگر سب سے اہم چیز کو فراموش کر گیا یعنی موقع محل دیکھ کر لوگوں سے اس قسم کے سلوک کرنے کے فن کی طرف سے بے بہرہ رہا اور صرف اسی ایک چیز نے اس کو اس کے مشن میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اس کے اندر ہمدردی اور آدمیت نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس کے اندر موجود تھیں جن کا زندگی میں اس نے بعض بعض جگہ اظہار بھی کیا ہے مگر بہت سی جگاہوں پر جہاں ان کے اظہار کی اشد ضرورت تھی وہاں پر اس نے نہایت غلط رویہ بھی اختیار کیا ہے۔

شہر یرموداہیں ایکبار کشتی پر محض اس لئے سفر کیا کہ جو حبشی اس کے اندر بیٹھے تھے ان سے خوش گپی کرے۔ جب وہ سلیمان یونیورسٹی میں پروفیسر تھا تو ایکبار فٹ بال کا میچ دیکھتے دیکھتے اتنا جوش میں آیا کہ

دوسرے نماشائیوں کے ساتھ خود بھی کھلاڑیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے خوب اچھلا کودا۔ صدر امریکہ بننے کے بعد اپنی کیبنٹ کا ممبر بنانے کے لئے اپنے ایک دوست ولیم گبنز میک اڈو کو یوں دعوت دی :" میں اپنی کیبنٹ تیار کر رہا ہوں اگر تم خزانہ کے سکریٹری کا عہدہ سنبھال لو تو میں بہت خوش ہوں۔ یہ سب سے بڑا اعزاز تھا جو یہ کسی کو دے سکتا تھا پھر بھی دعوت نامہ کے الفاظ سے اس شخص کی اہمیت اور قیمت کو دگنا اور چوگنا کر دیا۔

یورپ کے اندر پہلی جنگ عظیم کی خبریں سن کر امریکہ سخت پریشان تھا۔ سنہ ۱۹۱۵ء کے اندر قتل و غارت گری کے تمام پچھلے رکاڈ ٹوٹ چکے تھے بادی النظر میں امن کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ولسن نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگ کو ختم کر کے امن قائم کریگا۔ ایک نمائندہ یورپ بھیجنا چاہتا تھا جو وہاں کے وار لورڈز سے ملے اور امن کا پیغام دے۔ ولیم جیننگز برائن اسوقت امریکہ کا سکریٹری آف اسٹیٹ تھا اور سمجھتا تھا کہ صدر امریکہ اس کام کے واسطے اس کا انتخاب کریگا مگر نہیں ولسن نے اپنے ایک نہایت گہرے دوست کرنل ہاؤس کو اس کام کے واسطے منتخب کیا اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ برائن سے یہ کہکر اس کی تسلی کر دی کہ وہ کیبنٹ کا ایک نہایت اہم ممبر ہے اور حکومت کا ایک بہت ذمہ داری کا عہدہ سنبھالے ہوئے ہے اگر وہ جائے گا تو یورپ کے تمام لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف جم جائینگی اور وہ نہ معلوم کیا کیا خیال دل میں لائیں گے۔

افسوس اس بات پہ ہے کہ ولسن نے ہر جگہ اپنے اس ٹکٹ کو استعمال نہ کیا ورنہ تاریخ عالم بدلی ہوئی ہوتی۔ وہ ہر جگہ اس قسم کا عمدہ رویہ اختیار کرنا چاہتا تھا مگر طبیعت سے مجبور تھا۔ شرماتا تھا۔ دل کی بات کا اظہار کرتے گھبراتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں کاش کسی صورت اپنے کو تبدیل کر سکوں۔ ویسی کر سکوں جو حقیقتاً میرے دل میں ہے مگر عادت کچھ غلط قسم کی پڑ چکی تھی۔ اس کی زندگی کے آخری سال بہت پر درد ہیں ۱۹۱۹ء میں جب ولسن نے یورپ کا سفر کیا ہے تو پیس کانفرنس میں شرکت کے لئے سوائے اپنی ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھیوں کے ایک نمائندہ بھی ریپبلکن پارٹی کا نہ لیا۔ اس نے وسیع نظری اور فراخ دلی سے کام نہ لیا۔ ریپبلکن پارٹی کا مذاق اڑایا اور اس کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ لیگ آف نیشنز ریپبلکن پارٹی اور اس کی ڈیموکریٹک پارٹی دونوں کے خیالات ملنے سے وجود میں آئی۔

دنیا میں امن قائم کرنے کے واسطے لیگ آف نیشنز بنانے کا خواب سب سے پہلے وڈرو ولسن نے دیکھا تھا۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔ جب یورپ کا سفر کیا تو مسیح ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کا یورپ اس کو دیوتا سمجھتا تھا۔ کسان اس کی فوٹو کے سامنے چراغ جلاتے تھے اور اس طرح جھکتے تھے جیسے کوئی کسی ولی کی خدمت میں جھکتا ہے۔ پوری دنیا اس کے قدموں میں تھی۔ لیکن جب ۳ مہینہ بعد

امریکہ واپس لوٹا تو اس کے لاکھوں دشمن پیدا ہو چکے تھے۔ یہ اپنی سینیٹ کے ممبروں سے لڑا۔ اپنے بہترین دوستوں مثلاً کرنل ہاؤس تک سے تعلقات منقطع کر لئے۔ جب سینیٹ نے لیگ آف نیشنز میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو اس نے بلاواسطہ لوگوں سے اپیل کی مگر وہ بھی بیکار ثابت ہوئی لوگوں کے ساتھ برا سلوک کر کے اپنا کیریر تباہ کر لیا۔ صحت برباد کر لی۔ زندگی مختصر ہو گئی۔ امریکہ جس نے لیگ آف نیشنز کا خواب یورپ کو دکھایا۔ وہی اس میں شرکت نہ کر سکی اور دنیا کی تاریخ بدل گئی۔ یہ ہمیشہ سے کمزور تھا صحت خراب رہتی تھی۔ ڈاکٹروں نے طبیعت پر زیادہ اثر لینے سے منع کر رکھا تھا مگر اس نے ان کے مشورہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ صدارت کے آخری سال تو کمزوری کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ اپنے دستخط تک کرنے سے معذور تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کے الفاظ نے ایک وقت پوری دنیا کو ہلا دیا تھا۔ جب ریٹائر ہوا لوگ اس کے مکان پر جو ایس اسٹریٹ واشنگٹن میں واقع تھا دنیا کے گوشہ گوشہ سے اس طرح حاضر ہوتے تھے۔ گویا کہ وہ کسی بہت بڑے بزرگ کا آستانہ تھا۔ جب ولسن کا دم نکل رہا تھا اس کے گھر کے سامنے لوگ سجدہ میں پڑے ہوئے اس کی مغفرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ سپریم جینیس اینڈ میگنی فسنٹ فیلیور یعنی تربیت و انضباط کا مرقع اور شاندار ناکامیابی ہر دو الفاظ اس کے واسطے استعمال کئے گئے ہیں +

جوزیفائن

ویسٹ انڈیز کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئی بہت غریب تھی مگر۔ پھر بھی تاریخ عالم کے سب سے مشہور جنرل نپولین سے شادی کرنے میں کامیاب ہوئی۔ جوزیفائن کے نام سے مشہور ہے مگر اصل نام میری جوزف روز تشہر لا پگیری تھا۔ بدصورت تھی۔ دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ بری طرح قرضہ میں گرفتار تھی۔ وہ اچھی خاصی عمر و کے بچہ ساتھ تھے بیوہ اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے آدمی کو دام میں گرفتار کرنے کے فن سے بخوبی آشنا تھی۔ بے یار و مددگار تھی۔ نئے شوہر کی متلاشی تھی کیونکہ پہلا شوہر روسی انقلاب میں مارا جا چکا تھا۔

ابھی نپولین کو کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ ایک دوست سے جوزیفائن نے اس کا ذکر سنا اور یہ بھی کہ نپولین بہت جلد شہرت حاصل کریگا اور بڑی بڑی جنگوں میں رہنمائی کریگا۔ نپولین اس وقت ایک لڑائی سے واپس آیا تھا۔ کھجلی کے مرض میں گرفتار تھا اور سر منڈوائے پڑا تھا کہ

جوزیفائن کا بارہ سالہ لڑکا اس کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ میرے مرے ہوئے باپ کی تلوار تحفتاً قبول فرمائیں گے۔ نپولین نے انکار نہ کیا۔ دوسرے دن جوزیفائن بناؤ سنگار کر کے نپولین کی خدمت میں خود حاضر ہوئی۔ روتی جاتی اور نپولین کا اس کی قدردانی کے واسطے شکریہ ادا کرتی جاتی۔

نپولین اس کے حسن اور شخصیت سے بیحد متاثر ہوا اور اس کو اپنے سے اعلیٰ درجہ کا محسوس کیا۔ جب جوزیفائن نے اپنے یہاں اس کو چاء پر مدعو کیا خوشی سے بھول گیا۔ نپولین چاء پیتا جاتا اور جوزیفائن اس کی تعریف میں قصیدے پڑھتی جاتی۔ کہتی کہ وقت دور نہیں جب تم دنیا کے سب سے زیادہ کامیاب جنرل ہو گے۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد دونوں کی شادی ہو گئی۔ نپولین کی عمر اس وقت ۲۷ برس اور جوزیفائن کی عمر ۳۲ برس تھی۔ شادی کے ۵۰ گھنٹہ بعد نپولین بوناپارٹ کو اٹلی میں ایک نئی جنگ میں جانا پڑا۔ حالانکہ فوج نہایت شکستہ حال تھی مگر شاندار کامیابی حاصل کر کے یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ ہزار برس میں بھی یورپ نے اس قدر کامیاب جنگ نہ دیکھی تھی۔ یہ حقیقت فراموش نہیں کی جا سکتی کہ نپولین کو جوزیفائن نے نپولین بنایا۔ نپولین کے سینہ میں جوزیفائن کی محبت ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ دنیا کا ایک نہایت کامیاب جنرل ٹھیرایا گیا۔

نپولین میدان کارزار میں بھی کسی نہ کسی صورت وقت نکال دیتا اور کم از کم ایک خط روزانہ ضرور جوزیفائن کو تحریر کر دیتا تھا۔ یہ خطوط محبت اور جذبات میں ڈوبے ہوتے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں نپولین کے ایسے آٹھ خطوط

جوزیفائن کے نام لندن میں ۲۰ ہزار ڈالر میں فروخت ہوئے۔ خطوط اس قدر رنگین اور جذباتی ہوتے تھے کہ کوئی عورت ان کو پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی تھی مگر جوزیفائن ان خطوط کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ ایک خط کا بھی جواب نہ دیا اور غیروں سے محبت کرنے میں مشغول رہی۔ گھر کا خاص نوکر جس کا نام کونسٹنٹ تھا اس تک سے ناجائز تعلقات تھے کونسٹنٹ کے ساتھ اکثر بلرڈ کھیلتی تھی اور وہ جوزیفائن کو خوش کرنے کے واسطے اسے جتا دیا کرتا تھا۔

نپولین نے بہت دن ضبط اور صبر سے کام لیا مگر جب بے رخی کی انتہا ہو گئی۔ مصر میں ایک جنگ میں مشغول تھا کہ ایک شام ایک حسین دوشیزہ کو چائے پر مدعو کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر بجلی کی سرعت سے چل کر پیرس میں جوزفائن کے کانوں میں پہنچی۔ جوزیفائن جل گئی اور معرکہ سر کر کے جب نپولین فرانس واپس آیا منہ میں جو کچھ آیا اس کو سنا ڈالا۔ نپولین نے بھی جوزفائن کو باتیں سنانے میں کسر اٹھا نہ رکھی۔ نپولین کی بہنیں جو جوزیفائن سے غار کھاتی تھیں اور بوڑھی عورت کہکر اس کا مذاق اڑاتی تھیں یہ موقع غنیمت دیکھ کر نپولین سے کہنے لگیں بھیا اس موٹی اور بھدی عورت کو طلاق دیکر کسی نوجوان لڑکی سے شادی کر دو۔

ان تمام واقعات کے باوجود حالانکہ نپولین کے سینہ میں جوزیفاین کی لگائی ہوئی محبت کی آگ بھڑک رہی تھی اور چاہتا نہ تھا کہ جوزیفائن کو طلاق دے مگر چونکہ اس کے دل میں بیٹے کی بڑی آرزو تھی اس لئے جوزیفائن کو

طلاق دینے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ جب طلاق نامہ پر دستخط کر رہا تھا یہ جنرل جس نے بیسیوں معرکے سر کیے تھے اور لاکھوں خون دیکھے تھے زار و قطار روتا جاتا تھا۔ جوزیفائن کو طلاق دینے کے بعد خاص طور پر تین روز تک نپولین کا عجیب عالم رہا۔ نہ کسی سے ملتا نہ بات کرتا۔ تنہائی اور خاموشی میں محل کے اندر گہری سوچ میں پڑا رہتا اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی بڑی قیمتی چیز گنوا بیٹھا ہے۔

طلاق کے چند روز بعد نپولین بوناپارٹ کی شادی آسٹریا کی شہزادی میری لوئس سے ہوئی۔ مگر یہ شہزادی شادی سے پہلے ہی سے نپولین سے دلی نفرت کرتی تھی۔ شادی بری طرح ناکامیاب رہی۔ میری لوئس نے نپولین سے جہاں خود غداری کی وہاں بیٹے کو بھی باپ سے نفرت کرنے کا سبق پڑھایا

نپولین کا دل، آخر اور واقعی سچا عشق جوزیفائن اور صرف جوزیفائن سے تھا۔ جوزیفائن کی وفات کے بعد اکثر اس کی قبر پہ جاتا۔ گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ روتا اور یہ کہتا "پیاری جوزیفائن اگر تو زندہ ہوتی تو کم از کم میرے ساتھ غداری نہ کرتی"۔ آخری لفظ جو نپولین نے اس سرزمین کے اوپر ادا کیا "جوزیفائن تھا"۔

مسولینی

اٹلی کے اس ڈکٹیٹر کا باپ ایک لوہار تھا جو حکومت وقت اور رؤسا سے دلی نفرت کرتا تھا۔ غربت کی وجہ سے بچپن میں مسولینی بستر کی جگہ بھوسے پر کتوں کی طرح سوتا تھا۔ زندگی میں گیارہ بار جیل خانہ گیا اور سات بار قتل ہونے سے بچا۔ حالانکہ اس کا اصول تھا "نڈر رہو" اور قوم کو بھی یہی سبق دیتا تھا مگر اس درجہ بزدل تھا کہ اپنے سایہ تک سے ڈرتا تھا۔ اندھیرے میں تنہا گھر نہیں جا سکتا۔ جب سوشلسٹ اخبار "آونتی" کا ایڈیٹر تھا ہر وقت میز پر بھرا پستول، ایک بڑا چاقو اور برابر الماری میں بم رکھتا تھا۔ خوف کی وجہ سے آنتوں میں زخم پڑ گئے تھے۔ ڈکٹیٹر بننے کے بعد تو اس قدر خوفزدہ رہنے لگا تھا کہ اس کے گھر اور دفتر کے درمیان پندرہ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج قدم قدم پر اس کی نگہبانی کرتی تھی۔ حالانکہ کہتا تھا اس وقت تک نہ مروں گا جب تک کہ موت نہ آئے گی مگر پھر بھی مستقل طور پر تین سو سپاہی گھر اور دفتر میں اس کی حفاظت کرتے تھے۔ ہر روز نالیاں تک دیکھی جاتی

تھیں کہ کہیں کوئی بم تو نہیں چھپا دیا گیا او ہام پرست تھا۔ چاندنی میں کبھی نہ سوتا تھا۔ کہتا تھا چاند قسمت پر نحس اثر ڈالتا ہے۔ خوابوں کی تعبیر، قسمت اور مستقبل کے راز تاش کے پتوں کے ذریعہ بتاتا تھا۔ روم پر حملہ کرنے سے پہلے کئی گھنٹہ تک تاش کے پتوں کو الٹ پلٹ کرتا رہا تھا۔

حالانکہ پندرہ برس کی عمر تک الف سے ب نہ جانتا تھا مگر بعد کو پڑھنے کا اس قدر شوقین ہوا کہ ایکبار جب پولس گرفتار کرنے آئی کچھ پڑھ رہا تھا کہنے لگا ذرا یہ مضمون ختم کر لینے دو پھر تمہارے ساتھ چلوں گا۔ روپیہ پیسہ کی کبھی رتی برابر پرواہ نہ کی۔ اس کا کوئی گہرا دوست نہ تھا۔ کھانا ہمیشہ تنہا کھاتا تھا کسی پر حتیٰ کہ بیوی تک پے بھروسہ نہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر میرا باپ بھی زندہ ہو کر آجائے تو اس کا اعتبار نہ کروں۔ ہر صبح گرم پانی سے نہانیکا عادی تھا۔ اپنی ماں سے بیحد الفت رکھتا تھا اور سیدھے ہاتھ کی انگلی میں اس کی وفات کے بعد اس کی سونے کی انگوٹھی بطور یادگار پہنے رہتا تھا۔ حالانکہ بال سفید ہو چکے تھے مگر اٹلی کے اخباروں میں دو باتوں کی خبر کبھی نہ ہونے دیتا تھا اول یہ کہ اس کی عمر کیا ہے اور دوئم یہ کہ وہ ناقی پوتوں والا ہے۔

زندگی میں بہت سے رنگ بدلے۔ کبھی سوشلسٹ، کبھی انارکسٹ کبھی کمیونسٹ اور کبھی فاشسٹ بنا۔ جب بھوکا ہوتا اور جیب خالی ہوتی دودھ کا ایک گلاس پیکر وائلن بجانے بیٹھ جاتا اور راگ کے اندر بھوک کے خیال کو فنا کر دیتا۔ جب اپنا اخبار نکالتا تھا تمام تمام دن اور کافی کافی رات تک سخت محنت اور تیزی سے لکھتا تھا اور اکثر دفتر ہی

میں میز پہ سو جاتا تھا۔ اکثر متواتر کئی کئی دن گھر نہ جاتا تھا اور دوست احباب جو کچھ بھی لا دیتے کھا لیتا تھا۔ جب ۱۹۱۵ء میں فوج میں بھرتی ہوا تو کافی مشہور ہو چکا تھا۔ کہتا تھا کہ میں ایسے سپاہی پسند نہیں کرتا جو اپنا فرض سمجھ کر لڑتے ہیں بلکہ ایسے سپاہی چاہتا ہوں جو اس لئے لڑتے ہیں کہ لڑائی میں انکو مزہ آتا ہے۔ ایکبار ۴۲ جگہ زخمی ہوا۔ اگر تمام زخموں کو ناپا جاتا تو کم از کم ایک گز لمبا زخم بنتا۔

بینٹو مسولینی کو طاقتور بننے کا نشہ تھا۔ جولیس سیزر اور نپولین اس کے ہیرو تھے۔ فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے بالکل ایک ایسا کوٹ پہنتا جیسا کہ نپولین پہنا کرتا تھا۔ جولیس سیزر سے ملتے جلتے اس نے اپنے بہت سے بت تیار کروائے تھے۔ بیسویں صدی کے جولیس سیزر بننے کی تمنا میں گذشتہ جنگ عظیم کے اندر پانچ لاکھ سے زیادہ اطالویوں کو کٹوا دیا۔ کہتا تھا تاریخ عالم میں میں اس طرح اپنی یادگار چھوڑ جانا چاہتا ہوں جس طرح شیر اپنے پنجوں کے نشان چھوڑتا ہے۔ طاقت، ثروت اور وجاہت حاصل کر کے حقیقت یہ ہے کہ مسولینی بھی ہٹلر کی طرح اپنے بچپن کی تلخیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

سوائے اپنے پوری دنیا پر اتہام لگاتا تھا۔ ہمیشہ دوسروں کو غلطیوں کا ذمہ دار ٹھیراتا تھا۔ کہتا تھا کہ اس کے ساتھ کبھی کسی نے نیک سلوک نہ کیا۔ جہاں جاتا اپنے بچپن کے اسباق یعنی غم، غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا اور دوسروں کو بھی یہی درس دیتا تھا۔ ہر ایک سے لڑتا اور جب گھر واپس ہوتا تو اکثر پتھروں سے سر پھٹا ہوتا تھا۔ مگر جب تک بدلہ نہ لے

لیتا خاموش بیٹھنا نہ جانتا تھا۔ ہمیشہ اپنے سے کمزور یا چھوٹے کی مرمت کرتا تھا۔ جب اس نے یونان، ایتھوپیا اور البانیہ پر حملہ کیا تو چالیس برس بعد بھی اسی عادت کا اظہار کیا کیونکہ یہ ممالک اٹلی سے بہت زیادہ کمزور تھے۔ مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حامی نہ تھا بلکہ ہمیشہ دھوکہ دیکر یا چھپکر حملہ کرتا اور یہی اس نے فرانس کے ساتھ کیا گزشتہ جنگ عظیم میں جرمنی کے زخم خوردہ فرانس کی پیٹھ میں ایک خنجر اور بھونک دیا۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں زندگی میں جب قدم رکھا تو مسولینی نے اپنی قسمت کا فیصلہ روپیہ ہوا میں اچھال کر چت اور پٹ سے کیا۔ چت گرے تو امریکہ اور پٹ گرے تو سویزرلینڈ جاؤں۔ روپیہ پٹ گرا اور یہ جعلی پاسپورٹ لے کر سوئیزرلینڈ چلا گیا۔ وہاں کبھی حمال بنا۔ کبھی قلی۔ کبھی معمار اور کبھی قصائی کی دوکان پر نوکری کی جب بھوک سے بیزار ہوتا تو یا تو بھیک مانگتا یا چوری کرتا۔ نہایت گندے اور پھٹے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ لوگوں سے اکثر گالی گلوچ کرتا یا لڑتا پایا جاتا تھا جب تھک کر چور ہو جاتا جہاں جگہ ملتی وہیں پڑ کر سو جاتا تھا۔ یہی عالم ۲۸ برس کی عمر تک رہا۔

مسولینی اگر امریکہ چلا جاتا تو اٹلی کی کہانی کچھ اور ہی ہوتی کیونکہ پھر نہ یہ اٹلی کا ڈکٹیٹر بنتا اور نہ ہٹلر کا ساتھ دیتا۔ جب مسولینی اٹلی کا ڈکٹیٹر بنا جرمنی کے اندر بھی ہٹلر کو کوئی نہ جانتا تھا۔ حقیقتاً مسولینی نے ہٹلر کو طاقت حاصل کرنے اور ڈکٹیٹر بننے کے گر سکھائے۔ اگر نہ ہوتا مسولینی نہ ہوتا ہٹلر جرمنی کا ڈکٹیٹر بن کر دوسری جنگ عظیم کی بنیاد نہ ڈالتا اور تاریخ عالم کچھ اور ہی ہوتی +

چارلس ڈکنس

چار سال سے زیادہ اسکول میں نہیں پڑھا اس کے باوجود لازوال ناولیں لکھیں۔ انگریزی زبان کا سب سے محبوب مصنف قرار دیا گیا حالانکہ اس کے انتقال کو ۱۰۰ برس گزر گئے۔ مگر انگریزی ادب کا شوق رکھنے والے اسے برابر سر آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔ گذشتہ ایک صدی میں اس کی ناولیں لاتعداد بار شائع ہو چکی ہیں۔ انجیل مقدس اور شکسپیئر کے ڈراموں کے بعد نمبر اسی کے ناولوں کی اشاعت کا ہے۔ اکثر مصنف موت کے ۵ سال بعد بھلا دئے جاتے ہیں مگر اس کی موت کے ۱۶ برس بعد بھی حال یہ تھا کہ ایک چھوٹی سی کہانی "دی اسٹوری آف دی لارڈ" جو اس نے اپنے بچوں کے واسطے لکھی تھی اس کے پس ماندگان کو پبلشر نے اس کے واسطے چالیس ہزار پونڈ دئے۔ سینما، تھیٹر، پبلک، کالج غرض کون سی جگہ ہے جہاں اس کے ناول مقبول نہیں۔

تضاد دیکھیں تو اکثر مصنفین کی زندگیوں میں ملیگا مگر انگریزی کی

ادبی دنیا میں سب سے زیادہ متضاد کیریکٹر چارلس ڈکنس کا ہے۔ اس کے بچپن کا زمانہ نہایت پر درد ہے۔ صعوبات اور گوناں گوں تکالیف سے بھرا ہوا ہے۔ والدین بہت غریب ہونے کے ساتھ ساتھ سرتاپا قرضہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کی عمر ابھی دس برس کی تھی کہ باپ جیل خانہ پہنچا دیا گیا۔ گھر میں پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ ہر صبح جاتا اور بچی کھچی گھر کی چیزوں میں سے کسی کو فروخت کر آتا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ اپنی نہایت پیاری کتابیں بھی فروخت کرنا پڑیں جو تنہا اس دنیا میں اس کی مونس و غمخوار تھیں۔ شہرت حاصل کرنے کے بعد اقرار کرتا تھا کہ کتابیں فروخت کرتے وقت اسے اس قدر درد تھا کہ دل سینہ سے نکلا جاتا تھا۔

گھر کی حالت بد سے بدتر ہو گئی اور تنگ آ کر ماں بھی چند روز بعد چاروں بچوں کو ہمراہ لے میاں کے پاس جیل خانہ میں جا کر رہنے لگی۔ ڈکنس تمام دن جیل خانہ میں رہتا اور رات لندن کے ایک نہایت غلیظ حصہ میں ایک تاریک اور گندے کمرہ کے اندر دو دوسرے لڑکوں کے ساتھ سو رہتا یہ دونوں لڑکے بدمعاش تھے اور اس کی جان ضیق میں کر رکھی تھی۔ غریب نے تنگ آ کر نوکری تلاش کی۔ ایک دقیانوسی میلے اور تاریک گودام کے اندر شیشیوں پہ لیبل چپکانے کا کام ملا اور پہلی ہی بار جو چند پیسے ملے ان سے الگ ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا۔ گو یہ کمرہ بھی نہایت بوسیدہ اور میلا تھا مگر ڈکنس کی نگاہوں میں بہشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ الیور ٹوئسٹ کا کیریکٹر بیان کر کے خاص طور پہ اس جگہ جب وہ خالی سالن کا پیالہ لئے اور سالن مانگتا ہے

ڈکنس نے اپنے بچپن کی مشکلات اور تکالیف کا اظہار کیا ہے۔

حالانکہ اس نے گھر کی خوشحالی اور مسرت کے بڑے کامیاب نقشہ کھینچے ہیں مگر خود اس کی شادی زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی تھی۔ ۲۳ برس ایک ایسی عورت کے ساتھ زندگی بسر کی جس سے اس کو ذرہ برابر محبت نہ تھی۔ گھر دوزخ بنا ہوا تھا۔ ایکدن عاجز آکر اخباروں میں یہاں تک نکلوا دیا کہ وہ اور اس کی بیوی ایک دوسرے سے علیحدگی کر چکے ہیں۔ آج سے سو سال پہلے اس خبر کو پڑھ کر انگلستان کے گوشہ گوشہ میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ اپنا دامن ہمیشہ بچاتا اور ہر اتہام بیوی پر تھوپتا تھا۔ مرنے کے وقت فیاضی کے اس داتا نے سالی کے واسطے چالیس ہزار پونڈ چھوڑے مگر بیوی کے واسطے جو دس بچوں کی ماں تھی صرف ۷ پونڈ فی ہفتہ کے حساب سے چھوڑے۔

دو بار امریکہ گیا ۱۸۴۲ء میں جب پہلی بار گیا تو سر راہ کھڑے ہو کر بالوں میں مانگ نکالی۔ اہل امریکہ یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ شہر نیویارک کی سڑکوں پر اس زمانہ میں خنزیر گند کھاتے پھرا کرتے تھے۔ ڈکنس نے جب یہ دیکھا تو اس کو امریکنوں کی اس بدذوقی پر بڑا تعجب ہوا فایر برانڈ تھا اور تنقید کا ایک لفظ بھی اس کو آگ بگولا کر دیتا تھا۔ اسے اپنی شکل وصورت پر بڑا ناز تھا۔ گھنی داڑھی اور بوٹے قد پر سرخ واسکٹ اور نیلا جیسٹر عجب مزہ دیتا تھا۔ جب دوسری بار امریکہ گیا اس کا لکچر سننے کے لئے ٹکٹ گھر پر گھنٹوں پہلے لوگ سخت سردی میں لائن باندھے

کھڑے نظر آتے تھے۔ شہر برک لائن میں تو اس کے شائقین کا یہ عالم تھا کہ سخت سردی کے باوجود سڑکوں پہ آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ تھے میلا لگا معلوم ہوتا تھا۔ انفلوئنزا اور نمونیہ تک کی پرواہ نہ تھی اور یاران طریقت نے سڑکوں پر فرش بچھا، آگ برابر جلا دی لوٹ لگانا شروع کر دی تھی۔ جب لاتعداد ٹکٹ فروخت ہونے کے باوجود صدہا کی مراد بر نہ آئی تو ڈکنس کے ان پروانوں نے پولیس اور منتظمہ کمیٹی سے باقاعدہ جھگڑا کر ڈالا۔

ڈکنس کی مشہور ناول "کرسمس کیرول" آج سے قریب ۱۰۰ سال پہلے جب پہلی بار لندن میں چھپی تو اسی روز ایک ہزار کاپیاں فروخت ہوگئیں پندرہ روز بعد پندرہ ہزار نسخہ پھر مارکیٹ میں آئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے وہ دن اور آجکا دن اتنی اشاعتیں ہو چکی ہیں کہ ان کا شمار نہیں۔ آسمان کے نیچے جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں سب میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ لوگ "کرسمس کیرول" کو مختصر مگر دنیا کی سب سے بڑی کتاب کہتے ہیں۔ شروع میں تو انگلستان میں یہ حال تھا کہ جو کوئی ایک دوسرے سے ملتا بعد سلام یہی پوچھتا کہ میاں فلاں فلاں کتاب بھی پڑھی اور اکثر جواب یہی ملتا کہ ہاں میاں پڑھی خدا لکھنے والے کو خوش رکھے۔ کیا چیز لکھی ہے اس کتاب کا اصلی مسودہ امریکہ کے ایک رئیس اعظم جے پی مورگن نے بڑی رقم دے کر خرید لیا ہے اور اس کی نیویارک آرٹ گیلری میں دوسری بے بہا چیزوں کے ساتھ محفوظ ہے۔

اس کو اپنے قلم پہ اس قدر کم بھروسہ تھا اور احساس کمتری اس قدر زیادہ تھا کہ جب ۲۱ برس کی عمر میں پہلی ناول لکھی تو ناول کا مسودہ ڈاک خانہ کے اندر رات کی تاریکی اور تنہائی میں ڈال کر آیا کہ کہیں اس کی بہا کی دیکھ کر کوئی اس کا مذاق نہ اڑائے۔ شروع میں اس کی تمام کہانیاں ردکی گئیں۔ آخر ایک دن آیا جب اس کی کہانی قبول کر لی گئی۔ حالانکہ ڈکنس کو اس کی قیمت صرف ایک شلنگ ملی مگر ایک اڈیٹر نے اس کی تعریف کر دی۔ ایک اڈیٹر نے یہ کہدیا کہ مجھے اُمید ہے جلد تم ایک کامیاب مصنف بن جاوگے۔ ایک کہانی کی اشاعت اور تعریف کے ان دو الفاظ نے ڈکنس کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ مصائب میں پرورده یہ نوجوان جس کے والدین تک نے کبھی اس کی تعریف نہ کی تھی جس کے رگ وپے میں یہ سرایت کر چکا تھا کہ وہ حقیر ہے اور کسی اعلیٰ قسم کے کام کے لئے موزوں نہیں ایک ایڈیٹر کے چند الفاظ نے اس کو زندگی بخش دی۔ خوشی کے مارے لندن کی گلیوں میں یہ اب آنسو بہاتا پھرتا تھا۔

دیکھتے دیکھتے چارلس ڈکنس کو نمایاں کامیابی ہونا شروع ہو گئی ابتدائی آٹھ ناولوں میں صرف ایک پونڈ ملا مگر جو ناول سب سے آخر میں لکھی تین پونڈ فی لفظ کے حساب سے اس کی قیمت پائی۔ تین پونڈ فی لفظ! یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جو آج تک تاریخ ادبی دنیا میں کوئی دوسرا حاصل نہ کر سکا۔ اگر ایک اڈیٹر ڈکنس کی تعریف نہ کر دیتا تو ہو سکتا ہے اس کی پوری زندگی بوتلوں پہ لیبل لگانے ہی میں ختم ہو جاتی خود

ڈکنس کی زبان سے اس کی کامیابی کا راز سنئے۔ کہتا ہے میں نے زندگی
میں جو کام کیا دل وجان سے کیا۔ اپنے کو اس کے واسطے وقف کر دیا۔ جس
کام میں دلچسپی نہ ہوتی تھی اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ ناکامیابی سے کبھی
نہ گھبرایا اور ان سب کو میں نے سنہرا اصول پایا ؞

فیلڈ مارشل مونٹگمری

فیلڈ مارشل سر برنر ڈلا مونٹگمری ۱۸۸۷ء میں لندن میں پیدا ہوا۔ والدین آئرش تھے۔ باپ نہایت معزز پادری تھا جس کے چار بیٹے تھے۔ مونٹگمری بھی پادری بنتا مگر ابھی بارہ برس ہی کا تھا کہ لندن کی ایک سڑک پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ ان سپاہیوں کو گذرتے دیکھا جو بوئیر وار میں حصہ لینے جنوبی افریقہ جا رہے تھے۔ نظر کے سامنے نپولین نیلسن، کرامویل، ڈریک اور اپنے دادا کی بہادری کے وہ تمام قصے آ گئے جو بچپن میں اس کی ماں اسے سناتی تھی۔ وہیں فیصلہ کیا کہ وہ بھی مثل اپنے دادا کے ایک بڑا فوجی رہنما بنے گا۔ اس کے دادا لفٹیننٹ جنرل سر رابرٹ مونٹگمری نے ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے غدر میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔

مونٹی آف الامین جو پہلی جنگ میں قبرستان پہنچا دیا گیا تھا دوسری جنگ عظیم میں انگلستان کا سب سے کامیاب جنرل ثابت ہوا۔ پہلی جنگ عظیم میں ایک لڑائی کے اندر اس کا پھیپھڑا بری طرح زخمی ہوا اور پھر سے

سے اس کا ایک نوکر گرا جس کے قلب سے گولی پار ہو چکی تھی۔ بیہوشی کے عالم میں ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹر نے حالت دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی آدھے گھنٹہ کا اور مہمان ہے۔ کرنل نے قبر کھودے جانے کا حکم دیدیا لاری میں ڈال کر قبرستان لیجایا جا رہا تھا کہ ڈرائیور نے کچھ اس کا ہلنا جلنا محسوس کر کے چلا کر کرنل سے کہا کہ حضور یہ آدمی مرا نہیں ہے۔ اللہ کی شان یہی آدمی جو دفن کیا جانے والا تھا اس نے گذشتہ جنگ عظیم میں الامین پر جرمنی کے خلاف جنگ فتح کر کے ملک کا نام بلند کیا اور اپنا نام ہمیشہ کے واسطے سنہری الفاظ میں تاریخ عالم میں لکھ دیا۔ آج کل یہ ویسٹرن یونین ڈفنس کا چیرمین ہے اس کا ہیڈ کوارٹر فونٹین بلیو میں ہے۔ سنا گیا ہے کہ جلد ہی مغربی یورپ کی حفاظت کے سلسلہ میں ایشن ہاور کے نائب اول کی حیثیت سے کام کریگا۔

مرنے کے وقت باپ نے چاروں بیٹوں کو بلایا اور یوں ہدایت کی تمہارا تعلق ایک شریف خاندان سے ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تم خوب شان و شوکت کے ساتھ رہا کرو بلکہ بلند خیال بنو اور ہر بری بات اور برے خیال سے باز رہو۔ والد کے ان الفاظ کو مسٹر منٹگمری نے انہیں اپنا اصول زندگی بنا لیا۔ بہت مذہبی آدمی ہے۔ ہر رات عبادت کرنے کے بعد سوتا ہے آمدنی کا دسواں حصہ گرجا گھر کو دیتا ہے۔ نہ کبھی شراب پی نہ سگریٹ اور نہ قسم کھائی۔ جنگوں میں اسے مزہ آتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا کے لئے لڑ رہا ہے۔ میدان جنگ میں بھی انجیل اور بنین

کی پلگرمس پروگریس ساتھ رکھتا ہے۔ اس کا ہیرو والیور کرومویل ہے بیحد خوش ہوا تھا گزشتہ جنگ میں جب چرچل نے اس کا موازنہ الیور کرومویل سے کیا تھا۔ اس کی ماں ابھی زندہ ہے۔ میدان جنگ تک میں اس کو خط لکھنے کے لئے وقت نکال لیتا ہے

چالیس برس کی عمر میں شادی کی۔ ۱۹ برس کا ایک لڑکا ہے۔ بیوی کا انتقال ۱۹۳۷ء میں ہوا اس قدر ایک سال تک غمگین رہا کہ گھر سے گھرے دوستوں تک سے ملنا بہت کم کر دیا تھا۔ اپنے بیٹے کو بہت عزیز رکھتا ہے۔ پہاڑی طوطے اور چڑیاں پالنے کا شوقین ہے۔ جنگ تک میں اپنے ساتھ بڑے بڑے پنجروں کے اندر عمدہ عمدہ چڑیاں رکھتا ہے رائل ملٹری کالج سینڈہرسٹ میں تعلیم حاصل کی اور چالیس برس سے زیادہ ہو چکے ایک افسر کی حیثیت سے فوج کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ کہ لوگوں کی رہنمائی کے ساتھ یہ انہیں نیا جذبہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ٹینک اور ہوائی جہازوں سے لڑائی نہیں جیتی جاتی بلکہ شکست و فتح ان لوگوں کے جذبہ کے اندر پنہاں ہوتی ہے جو اس میں حصہ لیتے ہیں۔

اس کی ہدایت ہے کہ ہر فوجی کی نگاہ کے سامنے جنگ کا منظر ہونا چاہئے۔ رومل کے مقابلہ پر جب اپنی آٹھویں فوج کو بڑھایا ہے تو ان کو مخاطب کر کے کہتا تھا کہ اے میرے بہادر سپاہیو تمہاری فوج دنیا کی سب سے بہادر فوج ہے۔ تم دشمن کے سامنے سے کبھی ناکام

واپس نہیں لوٹے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہرا نہیں سکتی۔ اعتبار اور بھروسہ پیدا کرنے کے بعد فوج کو وہ اضح الفاظ میں بتاتا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ کہہ دیتا کہ جب تک فتح حاصل کرنے کے لئے کافی گولہ بارود، ہتھیار اور ہوائی طاقت مہیا نہ ہو جائے گی اس وقت تک فوج کو لڑائی لڑنے کے واسطے روانہ نہ کروں گا۔ جنگ کے سلسلہ میں فوج کو وہ اصول بتاتا۔ اول یہ کہ کبھی جلد بازی نہ کرو۔ دوم یہ کہ جب تک جیتنے کا پورا یقین نہ ہو لڑائی نہ لڑو۔ اس کا کہنا ہے کہ لڑائی لڑنے سے پہلے خوب غور و خوض کے ساتھ پلاننگ کرو بس پھر کیا ہے بندوق کی پہلی گولی چھوٹنے سے پہلے فتح تمہاری ہے۔

اصل جنگ شروع ہونے کے بعد جنرل مونٹگمری آرام کرنے چلا جاتا ہے۔ الامین میں رومل کے خلاف جنگ شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل سو گیا تھا۔ ½۴ بجے گھنٹہ بھر بعد رپورٹ سے خبر لے کر پھر سو گیا اپنے اوپر کامل بھروسہ کامیابی کا اس وجہ سے تھا کہ بہترین پلاننگ نہایت سمجھداری کے ساتھ کر چکا تھا۔ فوج بھی بہترین تھی۔ ہوائی جہاز اور جملہ جنگی ہتھیار اعلیٰ درجہ کے تھے۔ جنرل مونٹگمری سو کر اٹھنے کے ایک گھنٹہ تک چائے پینے کے بعد بستر پر پڑا رہتا ہے پہلے سوچتا اور پلان کرتا ہے اور پھر اس کے مطابق دن کا کام شروع کرتا ہے اس وجہ سے کبھی جلد بازی کرتا نظر نہیں آتا۔ جنگ جس قدر زبردست ہو گی یہ اتنا ہی مطمئن نظر آئیگا

افریقہ کے تپتے ہوئے ریگستانوں میں پونے چار ماہ کی مدت میں پندرہ سو میل تک مونٹگمری اور اس کی آٹھویں فوج "دی آرمی آف دی نائل" نے

جنرل روس اور اس کی فوج "افریقہ کورپس" کا پیچھا کر کے دنیا کی تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جنرل مونٹگمری نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج پر واضح کر دیا تھا کہ وہ ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن لڑائی لڑ رہا ہے اور اس کا اثر پوری جنگ پر پڑیگا۔ یہی ہوا۔ مونٹگمری کو جنرل رومل کے خلاف العلمین پر فتح حاصل ہوتے ہی گذشتہ جنگ عظیم کا پانسہ پلٹ گیا۔ اگر مونٹگمری کو العلمین پر ناکامی ہوتی تو جرمنی مصر اور پورے مشرق وسطیٰ پر قبضہ کر لیتا۔ ہندوستان کو زیر کرتا ہوا جاپان سے جا ملتا اور روس اور چین سے سامان کی آمد روک دیتا۔

گذشتہ ۲½ ہزار برس میں ۹۰۰ لڑائیاں لڑی گئیں مگر پھر بھی العلمین پر فتح حاصل کر کے جنرل مونٹگمری نے ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔ جنرل رومل کے نائب جنرل وون تھوما کو گرفتار کیا گیا مگر مونٹگمری نے اسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور نقشہ کھینچ کر بتایا کہ رومل کی ناکامی کی وجہ کیا ہوئی۔ مونٹگمری اپنے بدترین دشمن سے بھی ذاتی عناد نہیں رکھتا۔ بستر کے اوپر رومل کی تصویر ٹنگی رہتی تھی اور کہتا تھا کاش جنگ شروع ہونے سے پہلے کسی صورت ایکبار وہ رومل سے مل لیتا تو پھر اس کے خیالات معلوم کر کے جنگ کو اور زیادہ کامیابی سے لڑتا۔

سنکیلر لوئس

ادبی دنیا کا سب سے بڑا انعام یعنی نوبل پرائز پانیوالا چار بار شروع میں مختلف اخباروں کے دفتروں سے نکالا گیا۔ نوبل پرائز ملنے کی ٹیلیفون پر جب کسی نے اس کو اطلاع دی تو یہ سمجھا کہ اس سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ اس کے مذاق نہایت عجیب وغریب ہیں۔ کسی شخص کو کسی بھی سلسلہ میں کسی ہدایت ہونے کا قائل نہیں۔ کسی قسم کی ورزش نہیں کرتا۔ جارج جین نیتھن کا ہم خیال ہے اور کہتا ہے کہ شہر کے لوگوں کو اس سے زیادہ ورزش کی ضرورت نہیں کہ ٹیکسی کا پھاٹک کھولیں اور اندر جا بیٹھ جائیں۔ کبھی کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ فٹ بال میں ریڈ گرانج اور بیسبال میں بے بی رتھ صرف ان دو کھلاڑیوں کے ناموں سے آشنا ہے۔

اس کا تجربہ نہایت وسیع ہے۔ باپ ایک معمولی قسم کا ڈاکٹر تھا جب وہ کسی مریض کا آپریشن کرتا تو یہ مریض کو کلورو فارم سنگھاتا تھا۔ مچھلی خوب پکڑتا ہے۔ بڑا کامیاب مالی ہے۔ ایکبار ایک مویشیوں کی کشتی پر ان

کی خدمت کرتے ہوئے پورے بحرِاوقیانوس کا سفر کر ڈالا۔ بہت دن تک بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھتا رہا اور جیک لنڈن کے ہاتھوں ڈراموں کے پلاٹ، قصہ کہانیاں فروخت کیں۔ کئی اخباروں کا مدیر رہا اور بہت سی مشہور و معروف ناولیں لکھیں۔

حال ہی کی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ لال بالوں والے مرد اور عورتیں کالے یا بھورے بالوں والے مرد اور عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ذہین دانشمند اور محنتی ہوتے ہیں۔ تصوّر بلند اور شخصیت اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں امریکہ کے لال بالوں والا یہ لڑکا جواب بوڑھا ہو چکا ہے دنیا کی سات شہرہ آفاق ناولوں کا مصنف ہے۔ مین اسٹریٹ۔ بیبٹ۔ ایرو سمتھ۔ المر گینٹری۔ ڈوڈسورتھ۔ آن ورکرس۔ اٹ کانٹ ہیپن ہیر۔ جب ناول نویسی کا کام شروع کیا شروع میں چھ ناولوں میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ساتویں ناول "مین اسٹریٹ" ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی اور فوراً ہی دنیا میں اس کتاب نے اس کو چمکا دیا حالانکہ پادریوں نے سخت مذمت کی، عورتوں نے کلب گھروں میں اس کے خلاف احتجاج کیا، اخباروں نے بری طرح تبصرہ کیا اور نہ صرف امریکہ اور انگلستان بلکہ یورپ کے تمام وہ علاقہ جہاں جہاں انگریزی بولی جاتی ہے سب نے سخت مخالفت کی۔

مین اسٹریٹ کے بعد چھ اور نہایت مقبول ناولیں لکھیں۔ اپنی ناولوں کو پریس میں دینے سے پہلے کئی بار دہراتا ہے۔ کاٹتا، چھانٹتا اور بار بار لکھتا ہے۔ ایک بار ایک ناول پر پورا ایک برس صرف کیا اور اس

کے بعد اٹھا کر کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ "مین اسٹریٹ" کو مختلف وقتوں میں تین بار شروع کیا اور پورے ۷ برس میں مکمل کیا اپنی تیسری مشہور ناول ایرو سمتھ کا دیباچہ ۶۰ ہزار الفاظ میں لکھا جو بذات خود آدھا ناول بن گیا۔

پبلک ڈنرز میں شاذ و نادر ہی شرکت کرتا ہے۔ ادبی چاء کی پارٹیوں سے گریز کرتا ہے۔ بڑے آدمیوں کے دستخط اکٹھا کرنے والوں سے جلتا ہے۔ شہرت اس کی نگاہ میں ایک پریشان کن چیز ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے پاس ہر روز اتنے خطوط آتے ہیں کہ اگر ہر ایک کا جواب دے تو ناولیں لکھنا تو در کنار سونے تک کے لئے وقت نہ ملے اس لئے اکثر و بیشتر کو کھولا کرکے انگیٹھی کے سپرد کر دیتا ہے اور پھر ان کو جلتا دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کو ذرا سا بھی اندازہ نہیں کہ اس کی کل کتنی ناولیں فروخت ہو چکی ہیں یا اس نے اپنی سب سے اعلیٰ ناول "مین اسٹریٹ" میں کتنا روپیہ پیدا کیا حساب کتاب کی دیکھ بھال کے لئے ایک وکیل اور اکاؤنٹنٹ رکھ چھوڑا ہے۔ وہ جانیں اور انکا کام۔ خود اس کو کوئی سروکار نہیں کہ کتنا پیسہ آ رہا ہے جا رہا ہے یا جمع ہے۔

کہتا ہے مجھے ان ادیبوں سے چڑ ہے جو ہر وقت اپنے ابتدائی دور کی مشکلات اور کاوشوں کا ذکر کرتے یا رونا روتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ انہیں جو کاوش کرنا چاہئے اس کے مقابلہ میں اکثر کم نہیں کرتے۔ پکی پکائی مل جاتی ہے اور جس طرح ایک ڈاکٹر یا وکیل آسانی سے اپنا کام شروع کر دیتا

ہے اسی طرح یہ بھی تصنیف کا کام شروع کر دیتے ہیں مگر چونکہ چرب زبان ہوتے ہیں نئے نئے انداز اور اداؤں سے اپنے کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ ایک بار تیس پونڈ ادھار لئے اور ان کو ادا کرنے کے لئے رات دن چھ مہینہ تک لکھائی کا کام کیا مگر صرف ایک لطیفہ دس شلنگ میں بیچنے میں کامیاب ہوا۔ ابتدائی دور کی یہ محنت جس میں آمدنی ضرور کچھ نہ ہوئی پھر بھی بیحد مفید ثابت ہوئی کیونکہ اس عرصہ میں لکھنے کی مشق ہو گئی۔

سنکیلر لوئس کا کہنا ہے کہ اگر وہ ناول نویس نہ ہوتا تو آکسفورڈ یونیورسٹی میں لاطینی زبان یا فلسفہ پڑھانا پسند کرتا یا کسی گھنے جنگل میں جا کر رہتا اور لکڑہارا بن کر زندگی گذار دیتا۔ سال میں چھ مہینہ نیویارک میں پارک ایوینیو میں رہتا ہے اور بقیہ چھ مہینہ برلنگٹن کے ۸ میل جنوب مشرق میں ورمونٹ پہاڑوں کے درمیان خاموشی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہاں اس کی ۳۴۰ ایکڑ زمین ہے جس پر بہ کثرت میپل کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کے رس سے شکر تیار کرتا ہے اور ترکاریاں بوتا ہے۔ شہر صرف اس وقت آتا ہے جب حجامت بنوانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

امیر البحر نمٹز

امیر البحر چیسٹر نمٹز نے بنول اکاڈیمی اناپولس میں تعلیم حاصل کی۔ گذشتہ جنگ عظیم میں بحرالکاہل کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا گیا۔ اور جاپانیوں کے ہاتھوں امریکہ کو پرل ہاربر پر جو زبردست نقصان ہوا تھا اس کا ازالہ کیا۔ امریکہ کے سابق صدر فرینکلن ڈی روز ولٹ اور انگلستان کے دوران جنگ کے صدر اعظم مسٹر ونسٹن چرچل نے پرل ہاربر کے حادثہ کے فوراً بعد ۱۹۴۱ء میں امریکہ میں ملاقات کی اور امیر البحر نمٹز کا انتخاب کیا حالانکہ اس سے بڑے ۲۸ بحری افسر اور تھے۔ پرل ہاربر کی کمانڈ ایک نہایت ذمہ داری کا کام تھا جس کے واسطے اس کا انتخاب ان چار خوبیوں کی وجہ سے ہوا۔

اول یہ کہ اس کا بحری علم۔ تجربہ اور معلومات بہت وسیع ہے ۱۹۱۳ء میں جب اس کی عمر ۲۷ برس کی تھی پہلی جنگ عظیم میں بحر اوقیانوس میں امریکن سب میرین فورسز کا کمانڈر تھا۔ سب میرینز اور آبدوز جنگی جہازوں سے

شروع سے اس کو خاص دلچسپی رہی۔ پرل ہاربر پر سب میرین بیس تیار کر کے بڑی کامیابی حاصل کی۔ ہر قسم کے جہاز پر ہر حیثیت سے کام کر چکا ہے دوئم یہ کہ ہر وہ چیز جو سینہ سمندر پر تیر سکتی ہے اس میں بیحد دلچسپی لیتا ہے سوئم یہ کہ لوگوں کو کنٹرول کرنا خوب جانتا ہے۔ معمولی میکینک اور بڑے سے بڑا افسر بھی اس کی تعریف کرتا ہے۔ نیوی میں اس درجہ ہر دلعزیز ہے کہ کوئی شخص ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ معمولی کیڈٹ کی بھی تعریف کرتا ہے اور بڑی عزت کا مالک ہے۔ چوتھے یہ کہ مشکل کے وقت گھبراتا نہیں۔ ہمت اور بھروسے سے کام لیتا ہے

خاص طور پر اپنے چوتھے وصف کی وجہ سے پرل ہاربر پر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس وقت امریکہ کا بحری عملہ نہایت مختصر تھا۔ جنگی ہوائی جہاز، جہاز مار تو پیں، سب میرینز، آبی جہاز اور گولہ بارود کی کمی تھی۔ صرف ۱۷ جنگی ہوائی جہاز امریکہ کے پاس تھے جس سے پورے بحرالکاہل کی حفاظت کرنا تھی ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو پرل ہاربر پر ۸ آبی جنگی جہازوں میں سے ۵ کو جاپانیوں نے بموں کے ذریعہ دو گھنٹے کے اندر ڈبو دیا اور بقیہ تین کو بیکار کر دیا۔ امریکہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی بحری شکست تھی۔ نہایت پریشان کن حالات میں حملہ کے ٹھیک ۲۴ روز بعد یعنی ۳۱ دسمبر ۱۹۴۱ء کو امیر البحر نمٹز نے پرل ہاربر کی کمانڈ اپنے ہاتھ میں لی۔ بحری افسران اور فوج کے حواس باختہ تھے اس نے سب سے پہلے ان سب کے اندر نئی ہمت پیدا کی جب لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ ان نازک حالات پر کیوں کر قابو

پا پائیں گے تو جواب دیا کہ گھبراؤ مت وقت کے ساتھ سب کچھ خود ٹھیک ہو جائے گا اور یہی ہوا۔

کمانڈر مقرر ہونے کے بعد جاپانی اس کے خون کے پیاسے تھے کیونکہ اس کے پاس حکومت کے خفیہ کاغذات تھے جن میں پرل ہاربر پر جہاں جہاں جو جو نقصان ہوا تھا وہ بتایا گیا تھا۔ اس لئے واشنگٹن سے پرل ہاربر کے لئے عجیب روانہ ہوا۔ بحری فوجی وردی کی جگہ معمولی کپڑے پہنے۔ نام اپنا مسٹر وین رائٹ رکھا اور خفیہ کاغذات کو بیوی کے کپڑوں کے تھیلے میں رکھا۔ غرض اس انداز سے پرل ہاربر پہنچا اور کمانڈ سنبھالنے کے بعد ہی جاپانیوں کے دانت کھٹے کرنا شروع کر دئیے اور تھوڑے ہی دن بعد جاپانیوں کے خلاف مڈوے پر بحری تاریخ کی سب سے زیادہ شاندار فتح حاصل کی۔

سفید بال اور نیلی آنکھوں والے اس امیر البحر نے ۱۶ برس کی عمر تک سمندر کی شکل نہ دیکھی تھی۔ ابتدائی دور میں ایک مرتبہ ایک تباہ کن آبی جہاز کی کمانڈ سنبھالے ہوئے تھا کہ اس میں چھید ہو گیا۔ جہاز کے اندر تیزی سے سمندر کا پانی گھسنے لگا اور جہاز ڈوبا ہی چاہتا تھا کہ انجنیئر نے گھبرا کر اس سے کہا کہ جہاز ڈوب رہا ہے اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ انجنیئرنگ مینول کا ۸۸ صفحہ دیکھو وہاں لکھا ہے کہ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے۔ انجنیئر نے جلدی سے مینول کا وہ صفحہ پڑھا۔ ترکیب پر عمل کیا اور جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔

بحری علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ نمٹز ایک فلاسفر اور ایک

سائیکالوجسٹ بھی ہے۔ جہازوں، جاپانیوں اور عورتوں کے رنگ پٹھوں سے خوب واقف ہے اور ان تینوں کو انگلیوں پر ناچ نچاتا ہے۔ لطیفہ اور دلچسپ قصہ کہانیاں سننے کا بہت شوقین ہے۔ جہاز کو مؤنث کیوں کہا جاتا ہے۔ اس کے کئی وجوہات بتاتا ہے جن میں ایک یہ کہ اس کے پینٹ اور پاؤڈر پر روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے۔ ناشتہ سے قبل ایک گھنٹہ روزانہ ٹہلنے کا عادی ہے۔ ٹینس کا شاندار کھلاڑی ہے۔ ہفتہ میں ایکبار ایک میل ضرور تیرتا ہے۔ نشانہ درست رکھنے کے واسطے ہر صبح ۱۲ مرتبہ پستول چلاتا ہے۔ دوپہر میں غسل آفتابی ضرور لیتا ہے اور اکثر اسی دوران میں کانفرنس بھی طلب کر لیتا ہے۔ تھکنے سے پہلے آرام کر لینے کا خوگر ہے اسی وجہ سے معمولی انسان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کام کرتا ہے۔

سنہ ۱۹۴۹ء میں امیر البحر چسٹر نمٹز کو یونائیٹڈ نیشنز کمیشن نے کشمیر میں ثالث بنا کر بھیجا تھا۔ پاکستان نے اس کے ساتھ پورا تعاون کیا مگر بھارت کے غیر منصفانہ رویہ اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

ڈروتھی ڈکس

امریکہ میں ایک اوسط درجہ کے گھرانے میں پیدا ہوئی اور اپنے باپ کے گھوڑوں کے فارم پر پرورش پائی۔ چلنا ابھی نہیں سیکھا تھا مگر گھوڑے پر سوار ہونا سیکھ لیا تھا۔ اس کا باپ اس کو گھوڑے کی گردن پر بٹھا دیتا اور یہ مضبوطی سے اس کے عیال پکڑے رہتی۔ گھوڑا چرتا پھرتا اور یہ چپکی رہتی۔ جب کسی پیڑ کی شاخ کے نیچے سے گذرتا یہ ٹکرا کر گر پڑتی۔ روتی چلاتی اور پھر کوئی آکر اس کو سوار کرا جاتا۔ مثل گلہری کے تیزی سے بچپن میں درختوں پر چڑھ جاتی تھی۔ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے جنگلوں میں ہوا سے باتیں کرتی دوڑتی پھرتی تھی۔ جنگلوں کے تمام رازوں سے بخوبی آشنا تھی مثلاً جانتی تھی کہ خرگوش بچہ کہاں دیتے ہیں۔ تیتر کہاں چھپتے ہیں۔ شکرے کا گھونسلہ کیسا ہوتا ہے۔ بیر کہاں اُگتے ہیں وغیرہ وغیرہ

اس کو شروع سے یہ درس ملا تھا کہ اپنے اوپر اعتماد رکھو اور اپنی مدد آپ کرو۔ سوائے اپنے والد کی لائبریری کے کسی دوسری جگہ نہیں

پڑھا تھا مگر پھر بھی دنیا کی سب سے محبوب مصنّفہ ہے۔ بارہ برس کی عمر میں شکسپیر ڈکنس اور اسکاٹ پڑھ لیا تھا۔ ۱۸ برس کی عمر میں شادی ہو گئی۔ شادی کے چند روز بعد ہی شوہر سخت بیمار ہو گیا اور ۳۵ برس مثل ایک اپاہج کے زندگی گذار کر آخر چل بسا۔ غریب پر یکدم مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ زندگی میں کبھی ایک پیسہ نہ کمایا تھا مگر اب خود اپنا اور شوہر کا پیٹ پالنا تھا۔ اس کی آئندہ کئی سال تک زندگی بڑی پر درد رہی۔ سخت پریشانیوں کی وجہ سے خود بھی بیمار پڑ گئی اور تبدیلی آب و ہوا کے لئے گلف کوسٹ چلی گئی۔

سمندر کے کنارے جو آرام ملا طبیعت سنبھلنا شروع ہو گئی ایک چھوٹی سی کہانی لکھ ڈالی جو پسند کی گئی اب ایک اخبار کے لئے ایک پونڈ فی ہفتہ کی اُجرت پر قصہ کہانیاں لکھنے لگی۔ اس کے بعد ولیم رینڈولف ہرسٹ کے اخبار "ایوننگ جرنل" میں کام شروع کیا اور گذشتہ ۲۰ سال سے ہر قسم کے مضامین لکھ لکھ کر اس اخبار اور ملک کی خدمت کر رہی ہے۔ امریکہ کا بچہ بچہ اس سے واقف ہو چکا ہے۔ ہر ایک کے دکھ درد میں برابر کی شریک نظر آتی ہے۔ اس کا اصلی نام مسز الزبتھ میری گلمر ہے مگر دنیا میں ڈروتھی ڈکس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے نام میں ڈکس ایک حبشی غلام کی یادگار ہے جو اس کے خاندان میں ملازم تھا اور اس کا نام ڈکس تھا۔

اس کے مضامین روزانہ قریب ۲۰۰ اخباروں میں شائع ہوتے

ہیں اور کروڑہا انسان پڑھ کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس کے یہاں سوز ہے۔ یہ الم کی تصویر ہے۔ مصورِ غم ہے۔ جذبات کو خوب سمجھتی ہے گزشتہ آدھی صدی میں کروڑہا مرد اور عورتوں کو پیغام حیات دے چکی ہے جو زندگی سے عاجز آچکے تھے۔ زندہ آدمیوں میں اس سے زیادہ کسی دوسرے نے لوگوں کی غمخواری نہ کی ہوگی۔ لاتعداد طلاقوں کو روکا ہے اور بیشمار خاندانوں کو تباہی سے بچایا ہے۔ قسم قسم کے روزانہ اس کے پاس صدہا خطوط آتے ہیں اور اکثر لوگ اپنے دکھ درد کا مرہم تلاش کرتے ہیں۔ ان میں کچھ ایسی باتیں بھی دریافت کرتے ہیں جیسے میں اپنے کتے کا کیا نام رکھوں۔ اگر بچہ جمعہ کے روز پیدا ہو تو شگون بد تو نہیں وغیرہ۔

اکثر خطوط پڑھنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اکثر و بیشتر انسان سکھ کی زندگی بسر نہیں کر رہے ہیں اور سخت مشکل میں ہیں۔ دو یونیورسٹیاں اس کو اعزازی ڈگریاں دے چکی ہیں مگر اس کا کہنا ہے کہ اس کا قلب سب سے زیادہ اس وقت متاثر ہوتا ہے جب کوئی مصیبت زدہ لڑکا یا لڑکی ایک ایسی عورت کو جو اولاد کی نعمت سے محروم ہے یوں لکھتا ہے "میری ماں سے زیادہ عزیز۔ میں جانتا ہوں آپ سمجھ گئی ہوں گی ......" جتنی عمدہ طرح انسانی جذبات کو ڈوروتھی ڈکس سمجھتی ہے دوسرا نہیں سمجھتا۔ جس کی شادی خود بے ثمر رہی وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کی ہوئی دولت سے کروڑہا غریب لڑکیوں کی شادی

کر اچکی ہے۔

۲۲ برس کی عمر تک ۶ بار سے زیادہ ریل پر سفر نہ کیا تھا اور ۲ مرتبہ سے زیادہ سینما نہ دیکھا تھا۔ ایک غیر معروف فارم پر پرورش پانے والی لڑکی آج نیویارک کی خواتین کے اندر سب سے زیادہ مشہور جرنلسٹ ہے۔ کہتی ہے کہ میں نے انتہائی درجہ کی غربت، مشکلات اور بیماریوں کا مقابلہ کیا ہے۔ میں نے "کل کو" کامیابی سے برداشت کیا ہے اور "آج" کو بھی برداشت کر سکتی ہوں۔ ہاں میں پرواہ نہیں کرتی کہ "آنے والے کل" کیا ہوگا۔ تجربہ نے سکھایا ہے کہ کسی چیز سے ڈرنا نہ چاہیئے۔ جب وقت آتا ہے تو خود بخود ہمارے اندر اس کے مقابلہ کرنے کے لئے طاقت اور فراست پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ اسے تمام زندگی اپنی طاقت اور بساط سے زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑی ہیں لیکن یہ بہت اچھا ہوا کیونکہ اس طرح حقیقی معنی میں اسے زندگی کے مطالعہ کرنیکا موقع ملا۔ ڈروتھی ڈکس کہتی ہے کہ جب کسی کی زندگی کی تمام خوشیاں برباد ہو جائیں تو پھر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ باورچی نے شوربہ پھیکا رکھا، کھانا جلا دیا یا دودھ پھیلا دیا۔ اب اس کی طبیعت وہ دوست بھی محظوظ کر جاتا ہے جو دوغلا، چھوٹا اور بیوفا ہے کیونکہ یہ کسی سے کوئی اُمید نہیں رکھتی۔ بقول غالبؔ ع

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں۔ یہ اب بڑی سے بڑی تکلیف سے مغموم نہیں ہوتی ہروقت خوش رہتی ہے اور دنیا کو اپنے عملی تجربہ کی بنا پر خوش رہنے کی تراکیب سکھاتی ہے۔

ایچ۔جی۔ویلز

حالانکہ نہایت غربت میں پرورش پائی تھی لیکن اپنی قوت قلم سے زندگی میں تیس لاکھ ڈالر پیدا کیئے۔ اسّی سے زائد ضخیم کتابیں لکھیں اور ادبی دنیا میں ہمیشہ کے واسطے اپنا نام چھوڑ گیا۔ انگلینڈ میں اس کے والد کی نہایت مختصر سی پنساری کی دوکان تھی۔ یہ اسی میں پیدا ہوا۔ بچپن میں لندن کی ایک گلی میں ایک روز کھیل رہا تھا کہ ایک بڑے لڑکے نے اس کو اٹھا کر دے مارا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگ میں ایک وزن باندھ دیا گیا اور مہینوں اس کو بستر پر لیٹنا پڑا مگر وہ ٹھیک نہ ہوئی۔ آخر ٹانگ پھر توڑی گئی اور اس طرح اس کو سخت تکلیف کے دور سے گذرنا پڑا۔ اب ہر وقت بستر پر پڑا رہتا اور جو کتاب بھی ہاتھ آتی اسکو پڑھتا یہاں تک کہ اس کے اندر ادبی ذوق پیدا ہو گیا۔ اس نے پھر جملہ علوم حاصل کیے اور ادیب بننے کا فیصلہ کر لیا ایچ۔جی۔ویلز نے دنیا میں مشہور ہونے کے بعد اعتراف کیا

کہ میری خوش بختی کا پیش خیمہ یہی واقعہ تھا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو میں کبھی مشہور مصنف نہیں بن سکتا تھا بلکہ پوری زندگی ایک کلرک کی حیثیت سے گذارنا پڑتی۔ افلاس سے مجبور ہو کر تیرہ برس کی عمر میں اس نے ایک مال گودام میں کلرکی کی۔ صبح پانچ بجے اٹھتا، آگ جلاتا، جھاڑو دیتا اور چودہ گھنٹہ سخت محنت کرتا، مگر اس کے باوجود مالک نے ایک ماہ بعد یہ کہکر اس کو نکالدیا کہ وہ بہت گندا اور سست لڑکا ہے۔ اس نے اب ایک دواخانہ میں کلرکی کی مگر ایک مہینہ بعد ہی وہاں سے بھی جواب مل گیا۔ آخر میں پھر ایک مال گودام میں کلرکی کی جہاں یہ دو سال تک رہا۔ کام سے جب کبھی فرصت ملتی ہربرٹ اسپنسر کا مطالعہ کرتا۔

کلرکی کی اس زندگی سے وہ عاجز تھا۔ ایک دن ناشتہ کئے بغیر سویرے نکل گیا اور پندرہ میل پیدل چل کر اپنی ماں کی خدمت میں پہنچا اور رو کر کہا کہ اگر تم مجھے کلرکی کی اس سروس کرنے پر مجبور کروگی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ اس کے بعد اسکول کے اپنے ایک استاد کو طویل اور درد بھرا خط تحریر کیا اور کہا کہ میں اپنی زندگی سے عاجز ہوں۔ استاد ایک بھلا آدمی تھا۔ ویلز کا یہ خط پڑھ کر اسے اپنے پاس بلالیا ہمت بندھائی اور کہا تم بڑے بڑے کاموں کے لئے موزوں ہو اور اسکول میں ماسٹر کی جگہ دیدی۔ بس اب کیا تھا اس کی مراد بر آئی۔ ماسٹر بننے کے چند روز بعد فٹ بال کھیل رہا تھا کہ کھیل کے جوش میں گرا اور اس بری طرح گرا کہ اس کا ایک گروہ اور دایاں پھیپھڑا پھٹ گیا۔ خون

نکل جانے کی وجہ سے سفید پڑ گیا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ مدتوں یہی رہا کہ اب مرا اور تب مرا۔

اس حادثہ کے بارہ برس بعد تک مثل ایک ناکارہ انسان کے زندگی بسر کی مگر پھر بھی اتنی استعداد پیدا کر لی کہ تمام مہذب دنیا میں نام ہو جائے۔ مستقل پانچ برس رات دن لکھنے کی سخت مشق کی مگر اس دور کی محنت نہایت پھیکی اور بے مزہ ثابت ہوئی اور جو کہانیاں اور کتابیں اس زمانہ میں لکھیں سب کو نذر آتش کر دیا۔ ایکبار پھر ماسٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا اور بالیولوجی کے کلاس میں ایک لڑکی کیتھرائن روبنسن کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ یہ لڑکی بھی دبلی پتلی تھی اور اس کی طرح بیمار بیمار رہتی تھی۔ جلد دونوں کی شادی ہو گئی اور اس کے بعد دن بدن ویلز کی تندرستی بہتر ہونا شروع ہو گئی یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو گیا کہ ہر سال دنیا میں تہلکہ مچا دینے والی دو کتابیں لکھنے لگا۔

اس کے دماغ سے خیالات امڈے پڑتے تھے اور اکثر آدھی رات کو اُٹھ کر اپنے خیالات قلمبند کرتا تھا۔ یہی انسان جس کو ایک وقت ناکارہ کلرک سمجھ کر نکال دیا گیا تھا اب اس قدر مواد کا حامل تھا کہ اگر زندگی برقرار رہتی تو ڈیڑھ سو برس تک مسلسل طور پر کتابیں لکھ سکتا تھا۔ ٹرین، موٹر، سمندر کا کنارہ، دفتر غرض کوئی بھی جگہ ہو تصنیف کا کام اس کے لئے ہر جگہ ممکن تھا۔ تمام دن لکھائی کا کام کرتا تھا اور شام کے وقت دوستوں سے غپ اڑاتا تھا۔ کہتا تھا

کہ جو سخت زندگی میں نے کالہ کی کے دور میں بسر کی حقیقتاً وہ ایک
بے بہا نعمت تھی کیونکہ فطرتاً میں ایک کاہل انسان تھا مگر مال
گوداموں کے کام نے محنت کا عادی بنا دیا۔

چارلس ڈیگالا

بیحد شرمیلا انسان ہے۔ جب فوج میں کپتان تھا ایک فرانسیسی لڑکی کے لئے خلش محبت محسوس کرنے لگا۔ بڑی ہمت کر کے چاء پر مدعو کیا۔ جب وہ آئی دیکھ کر اتنا نروس ہوا کہ اس کے کپڑوں پر چاء گرادی۔ پانچ ماہ بعد دونوں کی شادی ہو گئی۔ مذہبی خیالات رکھتا ہے اور ہر رات عبادت کرتا ہے۔ تاریخ، فلسفہ اور اکانومکس کی کتابوں کے پڑھنے کا شوقین ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں تین بار زخمی ہوا۔ پانچ بار گرفتار ہوا اور پانچوں بار بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔ آخری بار ناخونکی ہنہنی سے سرنگ تیار کی اور اس میں ہو کر بھاگا۔

جنگ عظیم اول چار سال ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک چھڑی رہی لڑائی سب سے زیادہ سرزمین فرانس پر ہوئی ۸۵ لاکھ آدمی ہلاک ہوا اور بمشکل تمام جرمنی سرنگوں ہوا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء صلاح نامہ کا دن تاریخ عالم میں ایک بڑا مبارک اور خوشی کا دن تھا۔ سب کو اب یقین محکم ہو

چکا تھا کہ اب آئندہ جنگیں ہونگیں اور واقعہ یہ ہے اگر فرانس نے جنرل چارلس ڈیگالا کی بات سنی ہوتی اور عمل کیا ہوتا تو شاید جنگ عظیم دوئم ہوتی۔ اگر فرانس جیسا کہ جنرل ڈیگالا کہتا تھا دس مسلح ڈویژن تیار کر لیتا تو ہر گز ہٹلر کی یہ جرأت ہوتی کہ فرانس تو کجا پولینڈ اور آسٹریا تک پر حملہ آور ہو۔

جنرل ڈیگالا ان چند آدمیوں میں سے ایک ہے جنہوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ آئندہ جنگیں کس قسم کی ہونگیں۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے "دی آرمی آف دی فیوچر" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور بتایا کہ ایک جنگ پھر تیزی سے آ رہی ہے جس میں طیاروں، ٹینکوں اور بموں کا استعمال ہوگا۔ جہاز ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے اڑینگے۔ فوج ایک میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آگے بڑھیگی۔ مگر فرانس کے فوجی رہنماؤں نے ڈیگالا کے خیالات کا مذاق اڑایا۔ مارشل پیتان نے اعلان کیا کہ ڈیگالا کہ یہ کتاب ایک احمق کی بڑ ہے۔

جنرل ویگینڈ نے کتاب کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ فرانسیسی فوج پر یہ ایک نہایت گندہ تبصرہ ہے۔ ڈیگالا کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا اس کی مسلح موٹریں اور ٹینک اول تو تیار کن فیکٹریوں میں ہوں گے اور پھر جنگلوں اور دلدلوں میں وہ کیونکر کام کریں گے۔

فرانسیسی فوجی لیڈر ڈیگالا کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آئندہ بھی ویسی ہی پیدل فوجوں اور خندقوں کی جنگیں ہوں گی جیسی کہ وہ ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان لڑ چکے تھے انہوں نے جرمنی اور فرانس کی سرحد پر ملک کی حفاظت کے واسطے ایک مضبوط

فولادی دیوار تیار کی جو میجینو لائین کے نام سے مشہور ہے۔ ڈیگالا نے پھر سمجھایا کہ دیکھو یہ آہنی دیوار کسی کام نہ آئے گی۔ کیونکہ اب کی بار جرمنی پہلے بلجیم فتح کریگا اور پھر بلجیم اور فرانس کی دو سو میل کی سرحد سے فرانس میں داخل ہوگا اور جنگ دوئم میں ہوا بھی یہی مگر اس غریب کی باتوں کو ماننا کون تھا مذاق سے تو فرصت ملتی۔

فرانس سوتا رہا اور جرمنی نے نہ صرف ڈیگالا کی کتاب کو پڑھا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ نازی مسلح فوج کے افسر اعلیٰ نے ایکبار ہٹلر سے کہا تھا کہ سچ پوچھئے تو جنرل ڈیگالا نے ہمکو ٹینکوں کی لڑائی لڑنے کے گر سکھلائے ہیں۔ ہرمن گوئرنگ جس نے جرمن کی ایئر فورس تیار کی تھی اور گذشتہ جنگ عظیم میں اس کی کمانڈ سنبھالی تھی ڈیگالا کا بہت احسان مند تھا۔ نازیوں نے پینزر ڈویژنز تیار کئے جو جنرل ڈیگالا فرانسیسیوں سے تیار کرانا چاہتا تھا۔ ان ڈویژنز کی مدد سے جرمنی نے تاریخ کی سب سے بڑی اور تیز فتح حاصل کی۔ ۱۴ دن کی قلیل مدت میں ۱۸ جون ۱۹۴۰ء کو فرانس کی نہایت ذی شان ریپبلک کو جس کے پاس پچاس لاکھ نوجوانوں کی بہادر فوج تھی جرمنی کے پانچ ہزار ٹینکوں اور تین ہزار جنگی طیاروں نے کچل کر رکھدیا اور بیس لاکھ فوجیوں کو گرفتار کرلیا۔ اس سے پہلے تاریخ جنگ میں کبھی اتنے فوجی گرفتار ہوئے تھے۔ خود چرچل نے اس لڑائی کا بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے پہلے کبھی اتنے تھوڑے آدمیوں نے اتنے بہت سے آدمیوں پر اتنی

جلدی فتح حاصل نہ کی۔

فرانس میں اک قیامت برپا تھی۔ چارلس ڈیگالا نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور صلح نامہ کی شرائط بھی قبول نہ کیں جن پر دوسرے تمام فرانسیسی فوجی لیڈر دستخط کر چکے تھے ۸ جون ۱۹۴۰ء کو ہوائی جہاز کے ذریعہ چھپ کر انگلستان پہنچ گیا۔ نہ اس کے پاس دفتر تھا نہ روپیہ اور نہ فوج۔ چرچل نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور ڈیگالا نے لندن ریڈیو اسٹیشن سے فرانسیسی قوم کے نام ایک امید افزا پیغام نشر کیا اور کہا کہ فرانس نے لڑائی ضرور ہاری ہے مگر جنگ نہیں ہاری۔ درخواست کی کہ فرانسیسی فوج اور قوم انگلستان میں اس کا ساتھ دے پورے فرانس کی نگاہیں جو اب جرمن سنگینوں کے نیچے زندگی کے دن پورے کر رہا تھا اس واحد انسان جنرل چارلس ڈیگالا کی جانب تھیں۔

لوگ جوق در جوق آکر اس سے ملنے لگے۔ فرانسیسی فوجی موٹریں چلا کر سمندر کے کنارے آئے اور پھر لکڑی کے تختوں پر بیٹھ کر انگلش چینل پار کر کے انگلینڈ پہنچ جاتے۔ بعض نے ہوائی جہاز چرائے اور اڑ کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ ایک نوجوان پائلٹ نے تین ٹوٹے ہوئے جہازوں کے پرزوں سے ایک نیا ہوائی جہاز تیار کیا اور ڈیگالا کی خدمت میں پہنچ گیا۔ پانچ اسکول کے طلباء معہ اپنی کتابوں کے ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر انگلستان روانہ ہو گئے۔ غرض اس کے پاس ایک

اچھی خاصی فوج تیار ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس کی قیادت میں فرانسیسی فوج نے کھوئی ہوئی بستیاں واپس لینا شروع کر دیں اور ایک دن پورے فرانس کو جرمن چنگل سے آزاد کرا لیا۔

"فتح یا موت۔ آزادی یا قبر" روسی انقلاب کے یہ نعرے اس کی زبان پر بھی تھے۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں ملٹری کورٹ نے چارلس ڈیگالا کو غدار ٹھہرا کر پھانسی کا حکم دیدیا۔ جب یہ فرار ہو کر انگلستان پہنچا تو اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے لئے حکومت نے چالیس ہزار پونڈ کا اعلان کیا تھا۔ جنرل ڈیگالا ابھی حال میں جنرل ایش ہاور کے یورپ پہنچنے پر بیحد خوش ہوا اور کہا "اے امریکنو میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ یورپ کو بچاؤ۔ تمہاری حیات یورپ سے ہے اور یورپ کی حیات تم سے۔ مغربی یورپ کو خود اپنی مدد کرنے کی بھی ضرورت ہے جس میں فرانس کا سب سے بڑا حصہ ہونا چاہئے۔ فرانس کے پاس ۲۰ مستقل فوجی ڈویژن ہونا چاہئیں اور ۲۰ ایسے جو وقت ضرورت مل سکیں۔ پانچ ہزار جہاز اور تین لاکھ پچاس ہزار ٹن وزن کے جنگی جہاز کمیونزم کا مقابلہ کرنے کے لئے موجود رہنا چاہئیں"۔ ✤

بائرن

لارڈ بائرن انیسویں صدی کا سب سے مشہور انگریز شاعر تھا۔ شاعری کو نیا رنگ دیا۔ اس کے یہاں حد درجہ رومانیت، رنگینی اور سوز ہے۔ زبان اور بندش بھی خوب ہے۔ اس کی شاعری پر اس کے محبوب دوست شیلے کا سب سے زیادہ اثر پڑا تھا۔ قدرت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اپنے دوست کے جذبات سے متاثر تھا۔ بالکل پٹھان رئیس زادوں کا سا حال تھا۔ بلا کی اس کی سج دھج تھی غضب کا حسن پایا تھا۔ سنہری خوبصورت مونچھیں اور بھوری بھوری آنکھیں تھیں بدن اس قدر نازک اور کھال اس درجہ سفید تھی کہ جب کوئی چیز پیتا حلق سے اترتی باقاعدہ نظر آتی تھی۔ یورپ کی عورتیں اس پر پروانہ وار نثار تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ ایک حسین و جمیل فانوس ہے جس کے اندر چراغ جل رہا ہے۔ یورپ نے اس سے

زیادہ کامیاب محبت کرنے والا پیدا نہ کیا۔ کامل رومیو تھا۔ حالانکہ ۳۶ برس ۳ مہینہ کی عمر میں انتقال ہو گیا مگر یہ شاعر انقلاب ہمیشہ کے واسطے نام کر گیا۔

اس کا ایک پیر ٹیڑھا تھا۔ لنگڑا کر چلتا تھا۔ ناخونوں کو دانتوں سے کھاتا تھا۔ تمبا کو چبایا کرتا تھا۔ انسان کی کھوپڑیوں کے اندر دوستوں کے ساتھ شراب پیتا تھا۔ اس کے گھر میں بہت سی حسین و جمیل اور خوش باش لڑکیاں جملہ کاموں کے واسطے نوکر تھیں۔ شراب بھی لڑکیاں ہی پلایا کرتی تھیں۔ غصیل بہت تھا۔ اگر کوئی اسے گھور کر دیکھ لے تو اس کی جان کو آجاتا تھا کیونکہ یہ خیال کرتا تھا کہ وہ اس کے بدنما پیر کو دیکھ رہا ہے۔ عورتوں کو جلانے میں اسے مزہ آتا تھا۔ اپنی شادی کے دو گھنٹہ بعد بیوی سے کہلوا بھجوایا کہ وہ اس سے نفرت کرتا ہے اور شادی محض اس کے جلانے کے واسطے کی ہے۔ اب اس دن کو رو جب پہلی بار تو نے مجھے دیکھا تھا اور اظہار محبت کیا تھا۔ یہی ہوا اور ایک سال کے بعد ہی ازدواجی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کہتا تھا کہ محبوب کے لئے مرجانا بہت آسان ہے لیکن اس کے ساتھ زندگی گذارنا بڑا مشکل کام ہے۔

سوائے زدوکوب کے بیوی پر ہر ممکن زیادتی کی۔ اس کے ستانے کے لئے ہر روز گھر میں نئی عورتوں کو ساتھ لاتا اور خوب مزے اڑاتا۔ بیوی کو اس درجہ تنگ کیا کہ پریشان ہو کر غریب نے

ڈاکٹروں کو بلوا کر اس کے دماغ کا معائنہ کرایا کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہوگیا ہے۔ یورپ کی عورتوں کا اس کے واسطے جنون کا یہ عالم تھا کہ اس کی سختیوں سے عاجز آ کر جب اس کی بیوی نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تو آدھی سے زیادہ یورپ کی عورتوں نے اس کی بیوی سے قطع تعلقات کر لئے۔ یہ جتنا شریر ہوتا گیا عورتیں اس پر اتنا ہی زیادہ فریفتہ ہوتی گئیں۔ گھنٹوں سڑک پر صرف اس لئے کھڑی رہتیں کہ بائرن کے دیدار ہو جائیں۔ اپنے بالوں کی لڑیاں، محبت نامہ، اور کثیر تعداد میں غزلیں اس کو روانہ کرتیں اور جب یہ قبول ہو جاتیں تو بیحد خوش ہوتیں۔

ایک مرتبہ ایک مشہور انگریز رئیس زادی جو خود اس بلا کی حسین تھی کہ پورا لندن اس کے قدموں پر جھکتا تھا لڑکے کا لباس پہنے مہینہ بھر سنتے ہیں سڑک کے کنارے صرف اس لئے گھنٹوں انتظار میں کھڑی رہی کہ بائرن کی جھلک پالے۔ زندگی میں وہ جنوں عورتوں سے محبت کی حتیٰ کہ اپنی سوتیلی بہن تک کو نہ چھوڑا اور اس غریب کو ندامت کیوجہ سے اپنی زندگی برباد کرنا پڑی۔ اپنے جسم کو نازک اور خوبصورت بنانے کے لئے بڑی بڑی تکالیف کا مقابلہ کرتا تھا۔ بدن کی چربی کے خلاف ہر وقت سخت جنگ کرتا تھا۔ صرف ایک وقت کھانا کھاتا تھا اور اکثر وہ بھی نہایت قلیل اور سادہ یعنی تھوڑے سے آلو یا خشکہ پر سرکہ پڑا ہوا چند بسکٹ اور اوپر سے ایک گلاس

سوڈا واٹر۔

چربی جو بدن کو بدنما کرتی ہے اس سے بچنے کے لئے تیرنا گھوڑے کی سواری کرنا۔ مکہ بازی میں حصہ لینا۔ سات صدریاں پہنکر کرکٹ کھیلنا اور جب یوں بھی پسینہ کے ذریعہ جسم کی تمام چربی خارج ہو تی تو ٹرکش باتھ لینا اور جسم کو رگڑ رگڑ کر سرخ کر لیتا۔ ہاضمہ کا ستیا ناس ہو چکا تھا اور دوائیوں کی کثرت کیوجہ سے اس کا کمرہ حکیم جی کا مطب معلوم ہوتا تھا۔ ہیلسن پوٹ کو تیر کر پار کرنے پر ضرور فخر کرتا تھا لیکن اپنے کلام پر کبھی فخر نہ کیا۔ ایکبار ایک جوتشی نے اس سے کہدیا کہ وہ ۳۷ سال کی عمر میں مرجائیگا۔ دل میں وہم سما گیا اور واقعتاً ہوا بھی یہی۔ اکثر کہتا تھا کہ میرے خاندان والوں کے لئے زندگی کا ۳۶ واں سال سخت منحوس ہے اس کا باپ ۳۶ ویں سال مرا اور اس کی بیٹی جو لارڈ بائرن کا صحیح نقشہ تھی اس کا انتقال بھی ۳۶ ویں سال ہوا۔

بائرن کو خوفناک خواب بہت ستاتے تھے۔ جب افیم کے کشتہ کے استعمال سے بھی فائدہ نہوا تو دو بھرے ہوئے پستول سرہانے رکھ کر سوتا تھا۔ بڑا مزہ آتا۔ رات کی خاموشی، تاریکی اور تنہائی میں گھبرا کر دانت بھینچے چیختا اٹھتا اور ایک ہاتھ میں پستول دوسرے میں خنجر آبدار لئے کمرہ میں دوڑ لگاتا۔ قسمیں کھا کر کہتا تھا کہ رات کو اسے بھوت دکھائی دیتے ہیں جن کی انگارے جیسی آنکھیں اور لمبے لمبے دانت ہوتے ہیں۔ شادی کے موقعہ پھر بھی اس کا مقابلہ ایک ایسے ہی بھوت سے ہو چکا تھا۔ مشہور انگریز

شاعر شیلے جو اس کا ہم عصر اور گہرا دوست تھا اس کی زندگی ہی میں لارڈ بائرن نے اس کا بھی بھوت دیکھا اور یہ ایک واقعہ ہے کہ بائرن کے اس خواب کے چند روز بعد ہی شیلے ایک طوفان میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا اور بائرن نے اپنے ہاتھ سے اس کو کفنایا دفنایا۔

ٹالسٹائی

روس کا یہ ولی ایک محل میں پیدا ہوا۔ جوانی اور بڑھاپے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جوانی میں بڑا شوقین مزاج تھا۔ بن سنور کر نکلتا تھا۔ ہزارہا روپیہ صرف درزی کی نذر کرتا تھا۔ کوئی فعل بد ایسا نہیں جو اس نے اس عمر میں نہ کیا ہو حتیٰ کہ قتل تک کر چکا تھا۔ جوا، شراب اور زنا شغل تھا۔ کالج اور اسکول میں کئی بار فیل ہوا اور نہایت غبی لڑکا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ۳۰ برس بعد دنیا کی دو بیحد مقبول ناولوں یعنی وار اینڈ پیس اور آنا کارینینا کا مصنّف بنا۔ یہ دونوں ناولیں اس کا شاہکار ہیں اور رہتی دنیا قائم رہینگی۔ لیکن یہ خود اپنی ان دونوں ناولوں کے لکھنے کے بعد شرمندہ تھا۔ ان کے بعد ناول نویسی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب صرف چھوٹے چھوٹے رسالہ لکھتا جن میں امن اور الفت کی ترغیب دینا اور افلاس دور کرنے کے طریقہ بتاتا۔ اس کے یہ رسالے گاڑیوں میں بھر دئے جاتے اور

گھر گھر فروخت کیے جاتے۔ چار سال کی مختصر مدت میں ان کی ایک کروڑ بیس لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔

اس کے انتقال کو چالیس برس گذرے۔ قریب ۲۳ ہزار کتابیں اور ۵۶ ہزار اخبار، میگزین اور رسالہ اس انسان پر اب تک لکھے جا چکے ہیں۔ خود اس کی کم از کم ایک سو تصانیف ہیں۔ جس طرح اس کی بعض ناولیں بہت رنگین ہیں خود اس کی زندگی کی کہانی بھی اتنی ہی رنگین ہے۔ آخری بیس سال ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۰ء تک تو یہ عالم تھا کہ ایک خلقت مکان پر ٹوٹی پڑتی تھی یہ آرزو دل میں لیے کہ ایک جھلک دیکھ لے اس کی آواز سن سکے یا اس کے کپڑوں کو چھو سکے۔ اس عرصہ میں جو جو لفظ اس کے منہ سے نکلتا الہام سمجھا جاتا تھا اور ایک مستقل جماعت شارٹ ہینڈ میں اس کو قلمبند کرتی رہتی تھی اور اس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کا رکارڈ رکھتی تھی۔ روسی حکومت ٹالسٹائی کے اس تمام رکارڈ کو ۱۰۰ ضخیم جلدوں میں چھپوا رہی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے مطابق ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۰ء کے درمیان دنیا میں سب سے باعزت انسان لیو ٹالسٹائی تھا۔

آخری بیس برس میں دنیا سے قطعی نفرت ہو گئی اور بالکل عیسیٰ کے قدم بقدم زندگی بسر کرنا شروع کی۔ جتنی عزت اور شہرت اب اس کی تھی روسی زار شہنشاہوں کی نہ تھی۔ تمام مال و اسباب لٹا دیا فقر و فاقہ کی زندگی میں مزہ آنے لگا۔ زمین اور جائداد غرباء و مساکین

میں تقسیم کر دی۔ جب انتقال کیا ایک پیسہ بھی پاس نہ تھا۔ روسی کسانوں کے سے موٹے کپڑے پہنتا۔ اپنے جوتے خود بناتا۔ کمرہ کی جھاڑو دیتا اور نہایت سادہ کھانا ایک معمولی میز پر لکڑی کے ایک چمچے سے کھاتا تھا

شادی کے ابتدائی دور میں میاں بیوی کے درمیان اس درجہ الفت تھی کہ دونوں اللہ کے حضور میں گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو جاتے۔ روتے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے کہ اے پروردگار اس محبت کو لازوال بنائیو مگر افسوس میاں بیوی کے درمیان پچاس برس ساتھ زندگی گذارنے کے بعد آخر میں کشیدگی اس قدر بڑھ گئی کہ جب مرا ہے یہ وصیت کی تھی کہ جنازہ پر اس کی بیوی نہ آنے پائے۔ اس کی بیوی ہنوز شوقین مزاج تھی لیکن اس کو اب ان چیزوں سے نفرت ہو چکی تھی۔ بیوی سوسائٹی میں گھومنے پھرنے اور شہرت حاصل کرنے کی قائل تھی اور یہ ان چیزوں کو حقیر سمجھتا تھا۔ اس کو دولت سے محبت تھی لیکن ٹالسٹائی کی نگاہ میں روپیہ جوڑنا یا جائداد بنوانا گناہ عظیم تھا۔ وہ جبر کی قائل تھی اور یہ محبت کا۔ اس درجہ متعصب اور حاسد تھی کہ ٹالسٹائی کے دوستوں تک سے نفرت کرتی تھی۔ ایکبار اپنی سگی بیٹیوں کو گھر سے باہر نکال دیا۔ اور پھر ٹالسٹائی کے کمرہ میں جا کر ان کی فوٹوؤں کو پستول کی گولی ماری جرم یہ تھا کہ وہ دونوں خاص طور پر چھوٹی باپ کی بہت خدمت کرتی تھی۔

لیو ٹالسٹائی اب اپنی تمام تصانیف کا پیسہ اور ان کے جملہ

حقوق روسی عوام الناس کو دیدیتا تھا۔ بیوی کو اس بات پر بہت غصہ آتا اور وہ میاں سے لڑتی جھگڑتی۔ اس پر خفا ہوتی۔ اسکو پریشان کرتی اور برا بھلا کہتی اس کے باوجود بھی جب ٹالسٹائی اس کے خیالات کی مخالفت کرتا تو ڈوب مرنے یا خودکشی کرلینے کی دھمکی دیتی۔ فرش پر لوٹتی اور اودھم مچاتی۔ بیوی کے چڑچڑے پن سے عاجز آکر ٹالسٹائی نے گھر کو پاگل خانہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بدمزگی کا ذمہ دار ٹھیراتے تھے۔ ٹالسٹائی سے کبھی لیڈی ٹالسٹائی ان مضامین کو پڑھنے کے لئے کہتی جو آج سے ۵۰ برس پہلے شادی کیوقت اس نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیے تھے محبت میں تر اور یہ مضامین دونوں پڑھتے اور روتے کیونکہ اب وہ زمانہ نہ رہا تھا جب یہ دونوں ایک دوسرے پر پروانہ وار نثار تھے بلکہ اب تو ڈائریوں میں ایک دوسرے کے خلاف مضامین نوٹ ہوتے تھے۔

گھر بیوی کے چڑچڑے پن سے دوزخ بن چکا تھا۔ ٹالسٹائی اس ماحول اور ایسی زندگی سے عاجز آچکا تھا۔ غرض ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کو کڑکڑاتے جاڑے اور اندھیری رات میں بیوی سے چھپکر گھر سے بھاگ نکلا۔ خود نہ جانتا تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ گیارہ دن بعد نمونیہ میں گرفتار ہوا اور ایک چھوٹے سے روسی ریلوے اسٹیشن پر انتقال کیا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا البتہ دو

بیٹیاں تھیں۔ چھوٹی بیٹی تو ہر وقت باپ کے ساتھ رہتی تھی یہ بیٹیاں اکثر کہا کرتی تھیں کہ ماں نے باپ کو مار ڈالا اور آخر میں ماں بھی اعتراف کرنے لگی تھی کہ ٹالسٹائی کی موت کی وجہ اس کی منحوس ذات ہے۔ موت کے وقت لیو ٹالسٹائی کی عمر ۸۲ برس تھی۔

ایڈی رکن بیکر

قصبہ کولمبس ریاست اوہیو امریکہ میں پیدا ہوا۔ بچپن میں
اس قدر شرمیلا تھا کہ محلہ والوں کو سلام کرتے ہوئے جھجکتا تھا
دل میں سوچا کہ اگر اسی طرح شرمیلا رہا تو کامیاب انسان نہ بن سکیگا
پس آہستہ آہستہ عادت بدلنا شروع کی اور پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ
محلہ کے لوگ اس کی شرارتوں سے تنگ رہنے لگے۔ دل کھول
کر اودھم مچاتا۔ غصیل بہت تھا ہم عمروں کی خوب مرمت کرتا۔ بجلی
کے بلب توڑتا اور محلہ کے بچوں کی ہر جگہ قیادت کرتا۔ بارہ برس کی
عمر تک یہی عالم رہا کہ باپ کا اچانک طور پر پل بنانے کے ایک حادثہ
میں انتقال ہو گیا۔ گھر کی تمام ذمہ داری اس پر آ گئی۔ اس وقت
ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا پڑھنا چھوڑ دیا۔ اب اُدھر باپ دفنایا
جا رہا تھا اور ادھر یہ انسان بننے کا دل میں فیصلہ کر رہا تھا۔ سات
میل دور ایک گلاس فیکٹری میں ۲½ پنس فی گھنٹہ کے حساب سے

۱۲ گھنٹہ یعنی پوری رات کام کرنا شروع کیا۔ روزانہ ۱۴ میل پیدل آنا جاتا اور اس طرح ۵ پنس یومیہ ٹرام کا کرایہ بچاتا۔

بعد کو جوتے کی فیکٹری اور اس کے بعد مشین کی ایک دوکان میں کام کیا لیکن یہ سب خشک کام تھے اور اس کی طبیعت ان سے گھبراتی تھی۔ یہ ایک آرٹسٹ اور پینٹر بننا چاہتا تھا۔ رات میں ڈرائنگ کا ایک اسکول جوائن کر لیا۔ ایک روز ایک سنگ تراش اسکے باپ کی قبر کے واسطے اس کی ماں کو ایک کتبہ دکھانے لایا۔ رکن بیکر نے خوشامد درآمد کر کے اس کے ساتھ سنگ تراشی کا کام شروع کر دیا۔ اس کے باپ کی قبر پر اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کتبہ لگا ہے۔ ماں نے ڈر کر کہ بیٹے کو کہیں تپ دق ہو جائے کیونکہ سنگ مرمر کی خاک پھیپھڑوں میں جاتی تھی اس کام کے کرنے سے منع کر دیا۔ ابھی چودہ برس ہی کا تھا کہ ایکدن ایک دن ایک سلینڈر کی موٹر دیکھی جو سڑک پر کھانستی اور چھینکتی چلی جا رہی تھی۔ اس بے گھوڑے کی سواری کو دیکھ کر حیران ہوا اور تمام دن اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا پھرا۔ موٹریں اس زمانہ میں نئی نئی ایجاد ہوئیں تھیں جب مالک ہوتا موٹر چلانے کی خواہش کرتا۔ شوق اتنا بڑھا کہ ایک موٹر خود تیار کرنے کی دل میں ٹھانی۔ پرزے اور اوزار پاس نہ تھے اس لئے پہلے انہیں تیار کیا اور پھر ایک روز واقعی ایک ایسا انجن بنا ڈالا جو دوڑتا تھا۔

اسی اثنا میں قصبہ کے اندر ایک چھوٹی سی موٹر فیکٹری کھل گئی۔

ایڈی رکن بیکر نے اس کے اندر سروس کرنیکا ارادہ کیا۔ ہر اتوار مالک کی خدمت میں سروس کے واسطے حاضر ہوتا اور مالک دھتکار کر بھگا دیتا کیونکہ وہ میکینکس چاہتا تھا۔ مسلسل ۸ مہینہ اسی طرح کوشش کرتا رہا یعنی ۸۰ بار مالک کے پاس گیا۔ اس کے بعد بھی جب مراد بر نہ آئی تو ایک دن صبح سویرے فیکٹری جا کر کسی سے بات چیت کئے بغیر فرش کی جھاڑو دینا شروع کر دی اور اس کے بعد مشینوں اور میز کرسیوں کو جھاڑا۔ مالک اور ہر کوئی یہ دیکھ کر تعجب کرنے لگا۔ جب مالک اس کے قریب آیا گھبرا کر اس سے کہنے لگا مجھے نکالئے مت میں بغیر تنخواہ کام کرونگا۔ بھلا اس سے زیادہ ارادہ، جذبہ اور شوق کا مظاہرہ اور کیا ہوگا۔ یہ اصل میں یہاں رہ کر مکینکل انجینئرنگ کا کورس ختم کرنا چاہتا تھا بس شکاری کتے کی طرح اس کے پیچھے پڑ گیا۔ فیکٹری کے دوسرے مزدور کھانا کھا کر غپ اڑاتے، سگریٹ پیتے، تاش کھیلتے مگر اللہ کا یہ بندہ تنہائی میں بیٹھ کر کورس کی کتابیں ختم کرتا

ایکدن مالک نے ایڈی کو یوں محنت کرتے دیکھ لیا۔ بہت خوش ہوا اور تنخواہ بڑھا کر انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیا۔ اس نے یہاں تیزی سے ترقی کی۔ ورک مین۔ فورمین۔ اسسٹنٹ انجنیئر ٹربل مین۔ سیلس مین اور دیکھتے دیکھتے برانچ منیجر بن گیا۔ ریسنگ ڈرائیور بننے کا اب شوق چرایا۔ یہ بڑا سخت کام تھا۔ اس لئے شراب اور سگریٹ پینا چھوڑی دس بجے رات کو سونے کی عادت ڈالی۔

غصیلی مزاج پر اس درجہ قابو پایا کہ جلد ہی اپنی مسکراہٹ اور خوش مزاجی کے لئے مشہور ہو گیا۔ ۲۵ برس کی عمر میں دنیا کا سب سے مشہور ریسنگ ڈرائیور بن گیا۔ ۲۰۰ سے زیادہ مقابلوں میں شرکت کر چکا ہے۔ اس قدر تیز موٹر چلاتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ اسی صورت ہزارہا میل موٹر چلا چکا ہے مگر حادثہ کو درکنار کبھی چھاٹ تک نہ آئی۔ گذشتہ ۲۰ برس سے موٹر چلاتا ہے مگر لائیسنس کبھی نہیں لیا اس کی زندگی ایک سبق آموز ڈرامہ ہے۔ واقعات دل ہلا دینے والے ہیں۔ جب کبھی کسی معرکہ پر جاتا تو توہم پرست دوست احباب کامیابی کی دعا کرتے ہوئے خرگوش کی ٹانگ، مرغی کا پنہ، گھوڑے کا بال، لوہے کا نعل، چھپکلی کی آنکھ یا سیاہ پتھر کا ہاتھی ساتھ کر دیتے یہ انکا دل رکھنے کے واسطے لے تو لیتا مگر چونکہ تعویذ گنڈوں کا قائل نہیں موقع پا کر کہیں پھینک دیتا۔ عبادت کرنیکا بہت شوقین ہے ہر روز انجیل پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ بارہا اس کی زندگی صرف عبادت کی برکت سے محفوظ رہی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں جنرل پیرسنگ کے اسٹاف ڈرائیور کی حیثیت سے فرانس آیا۔ لیکن اب اس کو موٹر چلانے میں دلچسپی نہ رہی تھی اور ہوائی جہاز چلانیکا شوق چرا رہا تھا صرف پانچ ہفتہ کی ٹریننگ لیکر اس نے ہوائی جہاز اڑانے شروع کر دیئے اور چند ماہ کے عرصہ میں جرمنی کے ۲۶ جہاز گرائے اور کئی بار دشمن کی گولیوں کا نشانہ ہونے سے بچا۔ ۱۸ مہینہ کی قلیل مدت میں پہلی جنگ عظیم کا ہیرو

نمبر ون قرار دیدیا گیا۔ تین حکومتوں نے اسے اعزاز بخشے۔ جنگ کے
.... خاتمہ پر جب گھر واپس لوٹا امریکہ نے ہاتھوں ہاتھ
لیا۔ بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ اعزازہیں ڈنرز دئیے گئے اور وطن
کے لوگوں نے ایک خوبصورت بنگلہ تحفتاً پیش کیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد شادی کر کے بیوی کے ساتھ یورپ کا
دورہ کرنے نکلا۔ جب برلن پہنچا تو جرمنی کے چار مشہور ہوابازوں نے جن
میں ایک ہرمن گوئرنگ بھی تھا اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ یہ سب وہی
ہوا باز ہیں جو چند سال پہلے دوران جنگ میں ایک دوسرے کے جانی
دشمن تھے ہٹلر کو اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ رکن بیکر کو گوئرنگ
نے اس وقت اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ جرمن ایر فورس
کو بہت مضبوط بنا کر جلد ہی جرمنی کو آزادی دلائیگا۔ گوئرنگ نے جرمن
ہوائی فوج کو دنیا کی بہترین ایر فورس بنا دیا اور گذشتہ جنگ عظیم میں
اس کی کمانڈ سنبھالی۔

۱۹۴۳ء میں کیپٹن ایڈی رکن بیکر نے امریکہ کو متنبہ کیا تھا کہ
جرمنی اور جاپان میں اقوام متحدہ کی تھوڑی بہت فوج رہنے کی ضرورت
ہے بالخصوص اس وقت تک جبتک کہ ان ممالک کی دوسری پشت
صحیح معنی میں جمہوریت کے معنی نہ سمجھ جائے۔ اس کے ہمراہ ہمیں
جرمنی اور جاپان کو ٹینک، جہاز اور سب میرینز بنانے سے باز
رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دونوں

پھر مسلح ہو کر ہمارے اوپر حملہ کریں گے اور ہمارے نوجوان یورپ اور ایشیاء کی سرزمین پر بے موت مارے جائیں گے۔ اس غریب کی بات کو اس وقت کسی نے نہ سنا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اتحادی اقوام کو اس کی بتائی ہوئی ترکیب ہی پر عمل کرنا پڑا۔

آجکل کیپٹن رکن بیکر ایسٹرن ایر لائنز کا صدر اور جنرل مینجر ہے۔ دنیا کا ایک بہت بہادر انسان ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ موت سے کسی کو ڈرنا نہ چاہئیے چونکہ بارہا موت کے منہ میں جا چکا ہے اس لئے اپنے عملی تجربہ سے کہتا ہے کہ موت ایک بڑا حسین تجربہ ہے۔ جب موت آئے گی تو زندگی کا یہ سب سے سادہ، آسان اور فرحت بخش تجربہ ہوگا اس کا کہنا ہے کہ اگر وہ انجینئرنگ کو بس ختم نہ کرتا، اپنی طبیعت پر قابو نہ پاتا اور وقت کا بہتر استعمال نہ کرتا تو کبھی کامیاب ہوتا۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی یہ دادہیرو ٹھیرایا گیا۔ جنگ کے شباب کے زمانہ میں ۱۹۴۱-۴۲ء میں دو بار خطروں میں گرفتار ہوا۔ ایک بار ہوائی جہاز ٹوٹ گیا اور یہ شدید طرح مجروح ہوا۔ دوسری بار ہوائی جہاز کے ٹوٹ جانے سے معہ چھ ساتھیوں کے ۲۱ دن متواتر بحرالکاہل میں موجوں کے درمیان ربڑ کے تختوں پر بھوک، پیاس اور ٹھنڈ میں سخت وقت گذارا۔ اس کا کہنا ہے کہ زندگی کا سب سے بڑا سبق ان ہی تین ہفتوں کے آزمائشی دور میں سیکھا اور وہ یہ ہے کہ جب تک پینے کو پانی اور کھانے کو غذا ملے حضرت انسان کو زیب نہیں دیتا کہ گلہ شکوہ کرے۔

کیتھرائن

روس کی ایک مشہور ملکہ گذری ہے۔ اس کی عیاشی کے چرچے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔ اصل میں یہ ایک جرمن شہزادی تھی اور اس کا اصلی نام کیتھرائن نہ تھا۔ جب روس میں قدم رکھا نہایت خستگی کا عالم تھا نثروت، دولت، دوست احباب غرض کوئی چیز سوائے تین جوڑے معمولی کپڑوں کے پاس نہ تھی۔ اس کسمپرسی کے باوجود روس کے ولیعہد گرانڈ ڈیوک پیٹر سے شادی کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس ولیعہد کا دماغ ماؤف تھا۔ ادنیٰ غلاموں کے ساتھ شراب پیتا، ناچتا اور گاتا تھا۔ گٹے گڑیوں کو فوجی لباس پہنا کر گھنٹوں ان سے کھیلتا تھا۔ رات میں بھی جوتے پہن کر سوتا تھا۔ چہرہ چیچک کے داغوں نے بدنما کر دیا تھا۔ اس شادی سے کیتھرائن کے کئی بچہ پیدا ہوئے مگر ولیعہد نے ان بچوں کو اپنی اولاد قرار دینے سے صاف انکار کر دیا۔ بھرے مجمع میں کیتھرائن کی توہین

کرنا۔ کبھی جیلخانہ بھجواتا۔ کبھی گالیاں سناتا اور کبھی طلاق کی دھمکی دیتا۔ آخر کب تک برداشت کرتی کتھرائن کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا۔ شوہر سے دلی نفرت کرنے لگی اور ایکدن شراب میں سنکھیا ملوا کر پلوادی مگر ظالم پھر بھی نہ مرا۔ آخر کتھرائن کے ایک محبوب نے اس کا گلا گھونٹ کر قصہ پاک کر دیا۔

کتھرائن نے بعد میں شادی تو نہ کی مگر ہاں زندگی بڑی رنگین گذاری۔ حالانکہ اس کی طبیعت بہت زیادہ رومان پسند تھی مگر اپنے پوتوں کو صرف اس وجہ سے علم نباتات نہ پڑھنے دیا کیونکہ وہ یہ دریافت کرتے تھے کہ درخت کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار عورت تھی مگر ۲۴ گھنٹہ میں صرف دو بار نہایت سادہ کھانا کھاتی تھی۔ اگر باورچی نمک تیز کر دیتے یا کھانا جلا دیتے ہنس کر ٹال دیتی تھی۔ پوری عمر میں کبھی شراب نہ پی اور نہ کسی دوسرے قسم کا نشہ کیا۔ ہر صبح قہوہ کے پانچ کپ پیتی تھی جو ½ سیر قہوہ سے تیار کئے جاتے تھے۔ گو دو ہزار حالانکہ صدہا نوکر رہتے تھے مگر اکثر خود آگ سلگاتی تھی۔ سگریٹ نہ پیتی تھی۔ ہلاس کا استعمال ضرور کرتی تھی اور اس کی خوشبو سے اپنے کپڑے لبالب رکھتی تھی۔

اس کے سر میں اکثر سخت درد رہتا تھا کیونکہ ۲۶ برس کی عمر تک سر مثل ۶ برس کے بچہ کے پلپلا اور کمزور رہا۔ نہایت شاندار

اور قد آور عورت تھی۔ اکڑ کر چلتی تھی۔ اس قدر احساس برتری تھا کہ جب تک خط کے پتہ پر ہز امپیریل مجسٹی نہ لکھا ہوتا نہ پڑھتی۔ ایک مرتبہ شراب کے نشہ میں ایک شخص نے کہیں یہ کہدیا کہ میں تیرا شوہر ہوں بس اسی وقت اس کی ناک کٹوا دی۔ ۳۴ برس تک دنیا کے چھٹے حصہ یعنی روس پر نہایت دبدبہ اور شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی جہاں پچاس سے زیادہ مختلف قومیں آباد ہیں اور جہاں کی آبادی کم از کم بیس کروڑ ہے۔ جوں جوں عمر زیادہ ہوتی گئی موٹاپا بڑھتا گیا۔ آخر وقت میں تو اس قدر موٹی ہو گئی تھی کہ چل نہ سکتی تھی اور رکشا میں بٹھا کر گھسیٹی جاتی تھی۔

اس کے عاشقوں کی اس کے پاس باقاعدہ ایک فہرست تھی۔ اپنی جیب سے کروڑ ہا روپیہ ان پر خرچ کرتی تھی۔ بڑے بڑے عہدوں سے نوازتی تھی اور دل کھول کر انعام و اکرام دیتی تھی۔ کسی کو جنرل بناتی۔ کسی کو گورنر اور کسی کو وزیر۔ ایک عاشق سے ذرا دل برداشتہ تھی اس کو اپنے سے دور رکھنے کے واسطے پولینڈ فتح کرنے کے بعد وہاں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس کی حرکتیں اس کے بعد بھی جب نہ بدلیں تو اس کا سیٹ نیلس کروا دیا اور اس کی شاہی سونے کی کرسی منگوا کر اپنے غسلخانہ میں ڈلوا دی۔

فوج کا ایک نہایت حسین اور طاقتور افسر گریگوری آرلف اس کا عاشق تھا اور ساتھ محل کی ادنیٰ خادماؤں سے بھی

محبت کرتا تھا۔ کتھرائن نے دسیلح خیال ہونے کی وجہ سے اسے بھی نبھایا۔ اس پر اعزازات اور اکرامات کی بارش کر دی۔ ایک محل اور ہزار خادم دیئے مگر پھر بھی وہ ایک خادمہ کے ساتھ بھاگ گیا اور آخر میں پاگل ہو کر مر گیا۔

گری گوری آرلف کے بعد کتھرائن کا مطمعٔ نظر پٹمکن نامی ایک حبشی بنا۔ یہ کانا تھا۔ منہ سے انگلیوں کے ناخون کھاتا تھا۔ کچا لہسن اور پیاز چباتا تھا۔ بہت غلیظ تھا۔ بال تک نہ سنوارتا تھا۔ کھڑاویں پہنے یا ننگے پیر محل میں پھرتا تھا۔ لیکن طاقت میں ایک دیو تھا کتھرائن کے قریب پہنچا اور وہ گو روس کا ایک مشہور جنرل گذرا ہے مگر توپ اور بندوق کی آواز سے ڈر کر مثل لڑکیوں کے کانپتا تھا۔

کتھرائن آخر وقت میں بہت موٹی ہو گئی تھی۔ دانت سب ٹوٹ چکے تھے۔ پوپلی بڑھیا ہونے کے باوجود طبیعت میں ہنوز رومانیت باقی تھی۔ ایک نوجوان جو اس کا پوتا زیادہ مناسب معلوم ہوتا اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئی اور اس نوجوان نے عرصہ تک مثل ایک ذی شان زار کے روس پر حکومت کی +